بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

فَمَنْ اَظْلَمُ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

24

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

فَمَنْ اَظْلَمُ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

24

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ

پارہ.................... 24
باراوّل.................... مئی 2017ء
تعداد.................... دو ہزار
قیمت.................... -/470 روپے
ناشر.................... ملک عبدالقدیر اعوان
ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود نمائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب، جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں، آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطاوکرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربّانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علومِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا باالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت ودوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔

امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورة الزمر رکوع 4 آیات 32 تا 41	15
2	تفسیر و معارف	17
3	سب سے بڑا ظلم اللہ پر جھوٹ بولنا ہے:	17
4	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا ثمر:	20
5	اللہ اپنے بندے صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہے:	22
6	جو گمراہی پسند کرلے۔۔۔	23
7	جو اللہ کا راستہ پسند کرلے۔۔۔	23
8	جو زندگی میں نہیں مانتے موت منوا لیتی ہے:	25
9	قرآن سب کے لیے ہے:	25
10	سورة الزمر رکوع 5 آیات 42 تا 52	27
11	تفسیر و معارف	29
12	عظمتِ الٰہی کی نشانیاں:	29
13	سفارش، اللہ ہی کے اختیار میں ہے:	20
14	قبولیتِ حق کے لیے ایمان بالآخرت ضروری ہے:	31
15	انسان کی پرکھ:	33
16	ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں:	35
17	سورة الزمر رکوع 6 آیات 53 تا 63	37
18	تفسیر و معارف	38
19	موت سے پہلے قبولِ اسلام یا مومن کی توبہ:	38
20	رجوع الی اللہ:	40
21	یومِ حشر میں قرآن سے لاتعلقی کا وبال:	42
22	ایک شرعی مسئلہ:	43
23	اہلِ تقویٰ کی اخروی کامیابی:	46
24	اللہ ہی سب کے خالق اور نگہبان ہیں:	46
25	سورة الزمر رکوع 7 آیات 64 تا 70	48
26	تفسیر و معارف	49

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
27	اسلام کھرا ہے:	49
28	شرک بہت بڑا خسارہ ہے:	50
29	عظمتِ الٰہی :	50
30	کائنات پر مکمل اختیار صرف اللہ کا ہے:	51
31	صور پھونکا جائے گا:	51
32	سورۃ الزمر رکوع 8 آیات 71 تا 75	53
33	تفسیر و معارف	54
34	کفار، گروہ در گروہ۔۔۔	54
35	اہلِ تقویٰ کی پذیرائی:	55
36	سورۃ المومن رکوع 1 آیات 1 تا 9	57
37	تفسیر و معارف	58
38	صفاتِ باری:	59
39	قرآن پر اعتراضات وہی کرتے ہیں جو کافر ہیں:	61
40	کفار کا شہروں، ممالک پر قبضہ پریشانی کی بات نہیں:	61
41	اللہ کے کرم کا مظہر:	64
42	فوزِ عظیم:	65
43	سورۃ المومن رکوع 2 آیات 10 تا 20	67
44	تفسیر و معارف	69
45	کافر کا اقرار:	69
46	حصولِ ہدایت کے لیے انابت شرط ہے:	70
47	جب مسلمان دین پر عمل پیرا ہوں گے تو کافر ناراض ہوں گے:	71
48	اللہ باریک بین ہے:	74
49	سورۃ المومن رکوع 3 آیات 21 تا 27	76
50	تفسیر و معارف	77
51	گزشتہ اقوام کے انجامِ بد سے عبرت:	77
52	آخرت دائمی ہے:	78
53	سوچیے !	79
54	سورۃ المومن رکوع 4 آیات 28 تا 37	82
55	تفسیر و معارف	84

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
56	سورۃ المومن رکوع 5 آیات 38 تا 50	88
57	تفسیر و معارف	90
58	دکھ سکھ کے اثرات:	92
59	عذابِ قبر پر دلیل:	93
60	برزخ:	93
61	سورۃ المومن رکوع 6 آیات 51 تا 60	96
62	تفسیر و معارف	97
63	اللہ کی مدد پیغمبروں اور ان کے متبعین کے ساتھ ہے:	97
64	منکرین کا حال:	98
65	اللہ کی مدد کی مثال:	98
66	اللہ کی بخشش پانے کا نسخہ :	99
67	دین پر اعتراض کی وجہ، تکبر:	100
68	اللہ قادر مطلق:	101
69	علم کیا ہے؟	102
70	دامانِ رسالت تھامنے والا اور۔۔۔	102

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
71	دعا:	103
72	تکبر، اطاعت سے روکتا ہے:	104
73	سورۃ المومن رکوع 7 آیات 61 تا 68	105
74	تفسیر و معارف	106
75	اللہ کے فضل کے مظاہر:	106
76	ایک ضمنی بات:	109
77	ایک اصول، ایک مثال:	110
78	تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں:	111
79	تخلیق انسانی کے مراحل:	114
80	سورۃ المومن رکوع 8 آیات 69 تا 78	116
81	تفسیر و معارف	117
82	آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرنے والوں کا انجام:	117
83	کفر کی دنیوی سزا:	120
84	ناحق خوشیاں منانا:	120
85	اہل باطل خسارے میں چلے گئے:	122

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
86	سورۃ المومن رکوع 9 آیات 79 تا 851	123
87	تفسیر و معارف	124
88	اللہ کی نشانیاں:	124
89	اللہ کی سُنّت:	127
90	سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 1 آیات 1 تا 8	129
91	تفسیر و معارف	130
92	ایک سوال:	131
93	قرآنِ حکیم کی خوبیاں:	133
94	صاحبِ علم کون؟	133
95	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت بے مثال ہے:	137
96	ایک سوال:	138
97	اپنا جائزہ لیجیے:	139
98	سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 2 آیات 9 تا 18	140
99	تفسیر و معارف	142
100	توازن بقا کا سبب ہے:	143

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
101	ایک چشم دید واقعہ:	143
102	اللہ کی ساری مخلوق اپنی حیثیت میں اللہ سے ہمکلام ہوتی ہے:	145
103	ہم نے بھی ایسے لوگ دیکھے ہیں:	146
104	عبادت کا نتیجہ، اللہ کی مکمل اطاعت:	149
105	دنیا سے گزر جانے والوں کے لیے کوئی رائے قائم نہ کی جائے:	150
106	نورِ نبوت روشنی ہے، کفر اندھیرا ہے:	153
107	سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 3 آیات 19 تا 25	155
108	تفسیر و معارف	156
109	اللہ سے دشمنی کس نے کی؟	156
110	اللہ کے دشمنوں کی اقسام:	158
111	اس کا کرم پھر اس کا کرم ہے:	159
112	انسان کا وجود اس کے خلاف گواہی دے گا:	159

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
113	ہر عمل کی بنیاد فکر پر ہے:	161
114	بھٹکنے کی سزا:	162
115	سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 4 آیات 26 تا 32	154
116	تفسیر و معارف	165
117	شبینہ کے احکام:	166
118	اللہ کی آیات کو روکنے والے:	166
119	دورِ حاضر کے لوگ۔۔۔:	167
120	سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 5 آیات 33 تا 44	170
121	تفسیر و معارف	172
122	قوتِ کلام کا بہترین استعمال:	172
123	لوگوں سے بات چیت اور محض دنیوی فوائد کا حصول؟	173
124	دعوت عمل کے ساتھ ہے:	173
125	معذرت خواہانہ اسلام نہیں:	174
126	حسنِ سلوک دینی غیرت کے ساتھ:	175
127	غصہ محسوس ہونے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ میں آ جاؤ:	177
128	اللہ کی عظمت کے دلائل:	178
129	سجدۂ تلاوت کا طریقہ:	180
130	الحاد کیا ہے؟	181
131	بہت بلند رتبہ کتاب:	183
132	عربی زبان کا مقام:	184
133	منکرین کے لیے نورِ قرآن ان کے اندھے پن کا سبب بن جاتا ہے:	185
134	سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 6 آیات 45 تا 46	186
135	تفسیر و معارف	186

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 24 فمن اظلم

سورۃ الزمر رکوع 4 آیات 32 تا 41

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ
جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٤﴾
لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ
مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٣٨﴾ قُلْ
يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ
عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

پھراس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اس کو جھٹلا دے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ﴿۳۲﴾ اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور (جس نے) اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پرہیز گار ہیں ﴿۳۳﴾ وہ جو کچھ چاہیں گے (وہ سب کچھ) ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ہے خلوص کے ساتھ نیکی کرنے والوں کا یہی صلہ ہے ﴿۳۴﴾ تاکہ اللہ ان برائیوں کو جو انہوں نے کی تھیں ان سے دور کر دیں اور ان کو ان کے نیک کاموں کا، جو وہ کرتے رہے صلہ عطا فرمائیں ﴿۳۵﴾ کیا اللہ اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کافی نہیں؟ اور یہ آپ کو ان (معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو اس (اللہ) کے سوا (انہوں نے تجویز کر رکھے) ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کر دیں تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿۳۶﴾ اور جس کو اللہ ہدایت بخشیں تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ غالب (اور) بدلہ لینے والے نہیں؟ ﴿۳۷﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا؟ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ فرمایے بتاؤ تو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی دکھ پہنچانا چاہیں تو کیا یہ اس کے دیے ہوئے دکھ کو دور کر سکتے ہیں یا اگر وہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہیں تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ فرما دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۳۸﴾ فرما دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ میں (بھی) عمل کیے جاتا ہوں ﴿۳۹﴾ سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کرے گا اور (آخرت میں) کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے ﴿۴۰﴾ بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے لیے، حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔ پس

جو شخص راہِ راست پر آتا ہے تو اپنے لیے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو یقیناً گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ﴿۴۱﴾

تفسیر و معارف

بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں جو ظلم کرے گا اُسے یوم حشر جواب دینا ہوگا۔ ظلم کی سزا بھگتنا ہوگی۔ انسانی معاشرے میں جہاں اچھائیاں ہوتی ہیں، نیکیاں ہوتی ہیں وہاں بہت سی برائیاں اور جرائم بھی ہوتے ہیں۔ جہاں عدل و انصاف ملتا ہے وہاں جور و ستم بھی ملتا ہے، ظلم و زیادتی بھی پائی جاتی ہے اور بڑے بڑے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں۔ بسا اوقات کسی ایک شخص کی فضول خواہش پر عالمی جنگ چھڑ جاتی ہے جس میں کروڑوں لوگ تباہ ہو جاتے ہیں، ہلاک ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل عام ہو جاتا ہے، عزتیں اور گھر لُٹ جاتے ہیں مظالم کی انتہا کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ سارے معاملات مخلوق کے مخلوق کے ساتھ ہیں لیکن ان پر عادل ربّ موجود ہے۔ آج جو ظلم کرے گا کل اس کا بدلہ پائے گا۔ آج جو مظلوم ہے کل اسے اس کا حق دلایا جائے گا۔ یومِ حشر وہ اپنا حق پالے گا۔ دنیا میں جتنے مظالم ہوتے ہیں ان کا فیصلہ ہوگا، اللہ کریم ان میں عدل فرمائیں گے۔ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی۔

سب سے بڑا ظلم اللہ پر جھوٹ بولنا ہے:

فرمایا: فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ ۔۔۔ پھر اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے۔ یعنی اگر کوئی اللہ جل شانہٗ کے ساتھ دوسرے کو شریک کر لے، اللہ کی توحید میں شراکت کرے، اللہ ہی کی ذات پر ایمان نہ لائے، اللہ ہی کی عظمت کا انکار کر دے، اللہ پر ہی جھوٹ بولنا شروع کر دے تو اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں۔ جتنے باطل مذاہب ہیں وہ انسانوں نے گھڑے ہیں لیکن سب کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ سب کچھ اللہ کی رضا پانے کے لیے ہی کرتے ہیں۔ فرمایا، جو اللہ نے ارشاد نہیں فرمایا اُسے اپنی طرف سے رسومات گھڑ کر کہنا کہ یہ اللہ کا دین ہے، یہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور یہ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس جیسے کسی دوسرے ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کچھ قومیں تو صریح بت پرستی میں مبتلا ہوئیں۔ کچھ قوموں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز کی بعض نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان لیا اور کچھ قوموں نے اس کے بہت سے شریک بنا لیے۔ الغرض لوگوں نے طرح طرح کی باتیں خود ایجاد کیں لیکن پیش اس طرح کیں کہ یہ اللہ کا دین ہے۔ جو بات اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمائی اُسے اللہ تعالیٰ کے

ذمے لگائے تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جس طرح بت پرستی اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اسی طرح یہ کہنا کہ کائنات کا نظام جادوگر چلا رہے ہیں یہ بھی اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ یہ حال تو کفار اور مشرکین کا ہے لیکن افسوس کہ آج ہمارے کم وبیش 90 فی صد مسلمان بھی اسی وہم میں مبتلا ہیں۔ کسی کو وہم ہے کہ اس کا کاروبار اس لیے نہیں چلتا کہ کسی نے جادو کر رکھا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ وہ اس لیے بیمار رہتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میرا مکان گر گیا کیونکہ کسی نے جادو کر دیا ہے اور بہت سے اس وہم میں مبتلا ہیں کہ بچوں کے روزگار، شادی وغیرہ میں کسی کے جادو نے بندش کر رکھی ہے۔ کیا اس سے یہ تصور نہیں ملتا کہ کائنات اب (معاذ اللہ) اللہ کے دستِ قدرت میں نہیں ہے بلکہ اسے جادوگر چلا رہے ہیں؟ جادو کی حیثیت ہی کیا ہے! یہ شیطانی کلمات ہوتے ہیں اور شیطان اور اُس کی آل کوشش کرتے ہیں کہ اگر کوئی جادو پڑھتا ہے تو اس پر ممکن حد تک کچھ عمل کیا جاسکے، کسی کو ڈرایا دھمکایا جاسکے۔

فرعون کا عہد جادوگروں کا عہد تھا اور دنیا کے ماہر ترین جادوگر موجود تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو معجزات دیکھ کر فرعون نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور اہلِ دربار کے مشورے پر ملک بھر سے جادوگر بلائے گئے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔

جب مقابلے کی نوبت آئی تو جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ ہم مقابلہ تو ضرور کریں گے موسیٰ (علیہ السلام) ایک سانپ بناتے ہیں، ہم ہزاروں بنا دیں گے قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ (الاعراف:113) اور کہنے لگے، اگر ہم جیت گئے تو ہمیں صلہ (انعام) عطا کیا جائے گا؟ علمائے حق یہاں لکھتے ہیں کہ اگر جادو کے زور سے دولت پیدا کر سکتے تو فرعون سے مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا مطلب ہے کہ جادو محض اوہام و مفروضے ہیں، درحقیقت کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح جب مقابلہ شروع ہوا تو رسیوں اور شہتیروں سے سانپ بنانے سے پہلے انہوں نے لوگوں کو ڈرایا کہ پیچھے پیچھے ہٹ جاؤ، یہ اژدھا بن جائیں گے، تمہیں کھا جائیں گے۔ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ ۔۔۔(الاعراف:116) اور انہیں ہیبت زدہ کر دیا۔ ان کے دل میں رعب ڈالا۔ جب لوگ ڈرے تو اُن کی قوت متخیلہ متاثر ہوئی۔ رسے رسے ہی تھے، لکڑیاں لکڑیاں ہی تھیں لیکن اُن کو سانپ نظر آتے تھے۔ چونکہ آنکھ جو دیکھتی ہے وہ قوتِ متخیلہ کو جاتا ہے وہ اس کا تجزیہ کر کے انسان کے ذہن میں بات ڈالتی ہے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ یہ ایک پورا نظام ہے۔ جادوگروں نے لوگوں کو ڈرا کر اُن کی قوتِ متخیلہ کو متاثر کر لیا اور انہیں سانپ نظر آنے لگے جبکہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے پاس اللہ کا عطا کردہ معجزہ تھا۔ وہ لاٹھی جب انہوں نے پھینکی تو اتنا بڑا اژدھا بنا کہ اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے ہزاروں سانپ نگل لیے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے پکڑا تو وہ پھر لاٹھی بن گیا۔ اس کا حجم بڑھا نہ قد کاٹھ۔ جادوگروں نے دیکھا کہ اگر یہ جادوگر ہوتے تو ہمارا جادو ناکام کر دیتے۔ وہ رسے اور لکڑیاں تو باقی

رہتیں لیکن یہ لاٹھی سارا کچھ کھا گئی اور پھر ویسی کی ویسی ہے۔ یہ جادو کے بس کی بات نہیں ہے یہ اللہ جل شانہٗ کا کام ہے۔ جادوگر نبی علیہ السلام کی نبوت کو جان گئے تو انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جادوگروں کو اللہ کی توفیق نصیب ہوئی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا تھا اُن سے کہا تھا کہ پہلے آپؑ اپنا معجزہ دکھاتے ہیں یا ہمیں اپنا کمال دکھانے کی اجازت ہے؟ فرمایا، وہ نبی نہیں مانتے تھے لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا اور وہ ادب اُن کے کام آ گیا۔ انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی۔ اسی طرح فرعون کی بیوی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے اٹھایا تھا وہ بے اولاد تھیں۔ فرعون نے کہا کہ یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہوگا اسے قتل کر دیا جائے تو اس نے قتل کرنے سے منع کیا تھا کہ یہ ہماری خدمت کرے گا، ہم اسے بیٹا بنا لیں گے۔ خود بے اولاد تھی معصوم بچہ دیکھا تو اسے بہت پیار آیا لیکن اس کا وہ پیار خالی نہیں گیا۔ اُسے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نصیب ہوا اور فرعون کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی۔ اسی طرح جادوگروں نے جادو چھوڑ دیا اور موت قبول کر لی۔ صبح کے سورج نے انہیں موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے کی تیاری کرتے دیکھا تو اسی سورج نے ڈوبنے سے پہلے انہیں شہید ہوتے دیکھا!

آج کس قسم کے مسلمان ہیں؟ ہم اُن جادوگروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا بھی تعلق نہیں ہے کہ ہمیں یقین ہو کہ جادو ہم پر کچھ اثر نہیں کرے گا؟ کیا ہمیں اللہ پر اتنا اعتماد بھی نہیں ہے کہ ہمارا نظام اللہ کے دستِ قدرت میں ہے، جادوگروں کے ہاتھ میں نہیں ہے!

بات جادو کی نہیں ہے۔ بات ایمان اور یقین کی ہے۔ جس کا اللہ پر ایمان اور اعتماد ہے، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان و یقین نصیب ہے اس پر جادو کچھ اثر نہیں کرے گا۔ جو کٹی ہوئی پتنگ ہے اُسے کوئی بھی اچک لے۔ فرمایا، ایک ظلم تو یہ ہے کہ کوئی اپنی طرف سے مذہب کے نام پر رسومات گھڑ کے جھوٹ بولے کہ یہ اللہ کا دین ہے اور پھر: وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۔۔۔ اور سچی بات جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اس کو جھٹلا دے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تک خالص سچ، حق بات پہنچائی تو اِنہوں نے اس کا انکار کر دیا اس کی تکذیب بھی کر دی کہ یہ سچ نہیں جھوٹ ہے۔ گویا جھوٹ کو اللہ کے ذمہ لگا کر سچ مان لیا اور سچ کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا یہ جھوٹ ہے۔ فرمایا: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں۔ کیا ایسا کفر کرنے والوں کے لیے جہنم ہی مناسب جگہ نہیں ہے؟ خود سوچو جو اتنا بڑا ظلم کرتا ہے کیا اس کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہونا چاہیے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا ثمر:

فرمایا: وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝۳۳ اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور (جس نے) اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ وہ ہستی جن کی چالیس برس عمرِ عزیز قبل از بعثت مشرکینِ مکہ کے درمیان گزری لیکن جھوٹ بولنا تو درکنار کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کا الزام بھی نہیں لگا۔ ایسا ہوتا ہے کہ ایک بندہ سچ بولتا ہے لیکن لوگ اُسے جھوٹا بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ قبل از بعثت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی جھوٹ بولنے کا الزام نہیں لگا اور بعثت کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے آپ ﷺ کی چالیس سالہ عمرِ عزیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ فرمایا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ۔۔۔ (یونس:16) پس بے شک اس سے پہلے میں تم میں عمر کا ایک بڑا حصّہ بسر کر چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ سے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں میں عمر بسر کی ہے۔ میرے اعمال میری سوچ، میری فکر، میری گفتار تمہارے سامنے ہے۔ جس نے زندگی بھر کسی انسان پر جھوٹ نہیں بولا کیا وہ آج اللہ پر جھوٹ بول سکتا ہے؟ مشرکینِ عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کہا کرتے تھے تو جو ہستی سچ کے ساتھ مبعوث ہوئی اور جن خوش نصیبوں نے اس کی تصدیق کی، اس کو سچ مانا یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ اللہ اور بندے کے درمیان مالک اور بندے کا رشتہ قائم ہو جانا۔ ایسے لوگوں کے لیے فرمایا:
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔۔۔ وہ جو کچھ چاہیں گے (وہ سب کچھ) ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کو ان کی پسند دیں گے۔ جو وہ چاہیں گے اُنہیں وہ نعمتیں ملیں گی۔ اُن کی خواہش اور طلب سے زیادہ ملیں گی چونکہ اللہ ربّ العالمین ہے۔ ربّ سے مراد ایسی ہستی ہے جو چیزوں کی تربیت کر کے اُنہیں کمال تک لے جاتا ہے۔ جو کردار پر اعمال پر، عقائد و نظریات پر پھل لگاتا ہے۔ ساری کارگہہ حیات اس کی ربوبیت کا مظہر ہے۔ اسی طرح ایمانیات، عقائد اور کردار پر بھی پھل لگتا ہے اور وہ پھل، اللہ کی وہ جنت ہے جہاں ان کی ہر آرزو پوری ہوگی۔ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ۝۳۴ خلوص کے ساتھ نیکی کرنے والوں کا یہی صلہ ہے۔

جو لوگ صدقِ دل سے، خلوص سے، دل کی گہرائی سے اللہ جل شانہٗ کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا اتباع کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اور پورے خلوص سے کرتے ہیں ان کے لیے یہی جزا ہے، یہی انعام ہے۔ فرمایا: لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا ۔۔۔ تا کہ اللہ ان برائیوں کو جو انہوں نے کی تھیں اُن سے دور کر دیں۔

بقضائے بشریت ایسے لوگوں سے بھی کبھی خطا ہو جاتی ہے، سستی ہو جاتی ہے، کبھی قصور ہو جاتا ہے لیکن جن کا ایمان، کردار و عمل مضبوط ہو گا ان سے کچھ بھول چوک ہو بھی گئی تو اللہ کریم معاف فرما دیں گے۔ وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ اور اُن کو اُن کے نیک کاموں کا، جو وہ کرتے رہے صلہ عطا فرمائیں گے یعنی دنیا میں ان مخلص بندوں نے جو اعمال کیے اُن کے برابر نہیں بلکہ اُن اعمال سے بہت بڑھا کر انہیں اجر اور معاوضہ دیا جائے گا۔

ایک ولی اللہ کا واقعہ ملتا ہے جو بہت مالدار تھے۔ ایک دن اپنے احباب میں تشریف فرما تھے کہ ایک خاتون آئی جس کے ہاتھ میں کٹورا تھا۔ اس نے عرض کی کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور حکیم نے دوا دی ہے اُس نے کہا ہے کہ اسے شہد میں ملا کر دو تو اپنے توشہ خانہ سے مجھے تھوڑا سا شہد دلوا دیجیے۔ انہوں نے ملازم سے فرمایا کہ شہد کا ایک مشکیزہ لے آؤ۔

یاد رہے کہ مشکیزے چھوٹے بکرے کی کھال کے بنائے جاتے تھے اور ان میں 20 سے 25 کلو تک شہد رکھا جا سکتا تھا۔ جب وہ ملازم مشکیزہ لے آیا تو انہوں نے کہا کہ اس خاتون کو دے دو۔ وہ سائلہ دعائیں دیتی ہوئی شہد کا مشکیزہ لے کر چلی گئی۔ جو لوگ محفل میں بیٹھے تھے کہنے لگے کہ حضرت اس خاتون نے تو تھوڑا سا شہد مانگا تھا آپ نے اُسے پورا مشکیزہ عطا کر دیا؟ وہ فرمانے لگے کہ اللہ نے مجھے بہت دیا ہے۔ میرا توشہ خانہ شہد سے بھرا ہوا ہے۔ وہ غریب تھی اس کا حوصلہ ہی اتنا تھا۔ اُسے تھوڑا سا شہد بھی مل جاتا تو اس کے لیے تو بڑی دولت تھی لیکن مجھے جو اللہ نے منوں کے حساب سے دے رکھا ہے مجھے اس میں سے کم مقدار میں شہد دیتے ہوئے اللہ سے شرم محسوس ہوئی؟ اُس نے اپنی حیثیت کے مطابق مانگا میں نے اُسے اس حیثیت کے مطابق دیا جو اللہ نے مجھے عطا کی ہے!

اگر یہ حال اس کے بندوں کا ہے تو اللہ کی عطا کیسی ہوگی؟ جو اجر وہ اپنے بندوں کو دے گا وہ اپنی شان کے مطابق دے گا۔ وہ کیا ہوگا؟ وہ ہم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ جب وہ دے گا تو اُن کے اعمال سے کہیں زیادہ خوبصورت اور بہت زیادہ بڑھا کر عطا کرے گا۔

اللہ اپنے بندے صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو روئے زمین پر واحد ہستی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا کلمہ بلند فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت مختلف مذاہب اور اُن کی رسومات کو چیلنج کیا۔ بڑے بڑے کافروں، مشرکوں کو، بت خانوں کے، پجاری، پروہت، سب کو چیلنج کر دیا! بے شک یہ حوصلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہی ہوسکتا ہے۔ پھر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کفر کی طاقت، مشرکانہ ماحول اور معاشرہ، مذاہب کے علمبردار، ٹھیکیدار کافر حکمران اور کفر کی طاقتیں پتا نہیں کیا کر دیں گی؟ کچھ نہیں کر سکتیں۔ یہ لوگ اپنی دانست میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کافر طاقتوں سے ڈراتے ہیں اور اللہ کریم فرماتے ہیں: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔۔۔کیا اللہ اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کافی نہیں؟ مخلوق بھلا اس کا کیا بگاڑے گی، اپنے بندے کو اللہ خود ہی کافی ہے۔ اللہ کی حفاظت میں آنے کے لیے یہ مخلوق کی ضرورت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں آئے جو بھی خلوص اور صدقِ دل سے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھامتا جائے گا، وہ اسی حفاظتِ الٰہیہ میں آتا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں معاشرہ خراب ہے حالانکہ ہمارے اپنے اندر کمزوری ہوتی ہے ہم کون سا مسجد کے لیے گھر سے نکلے تھے کہ راستے میں معاشرہ پکڑ کر برائی کی جگہ لے گیا۔ ہم نکلے ہی وہاں جانے کے لیے تھے۔ معاشرے میں جو خرابی ہے وہ ہمارے اپنے اندر بھی ہے۔ دراصل ہر خرابی اپنے اندر ہوتی ہے اور ماحول بھی تب متاثر کرتا ہے جب ہم ماحول کی کوئی چیز قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم بجلی کی تار کو لوہے کے ساتھ لگائیں تو سب میں بجلی آجاتی ہے لیکن بجلی کی تار کو لکڑی کے ساتھ مَس کریں اس کا کچھ نہیں بگڑتا اس لیے کہ لکڑی بجلی کو قبول ہی نہیں کرتی۔ ربڑ کا دستانہ پہن لیں اور بجلی کی تار ہاتھ میں پکڑے رکھیں تو ربڑ بجلی کو قبول نہیں کرتا۔ لوہے کا مضبوط دستانہ پہن لیں اور ہاتھ میں تار پکڑ لیں تو لوہا اُسے جذب کرلے گا اور بندے کو بھی تباہ کر دے گا۔

معاشرے میں تو جو برائی ہے سو ہے، ہمارے اندر برائی قبول کرنے کی کوئی بات پیدا ہوگئی ہے اس لیے معاشرہ ہمیں مشکل نظر آتا ہے اور ہم اس کا شکوہ کرتے ہیں۔ ہم خود حرام کھانا چاہتے ہیں لیکن اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ اعلانیہ کہہ سکیں کہ یہ ٹھیک ہے چنانچہ کہہ دیتے ہیں کہ ماحول اور معاشرہ ہی ایسا ہے۔ کیا معاشرہ ہمیں پکڑ کر کہتا ہے کہ حرام کھاؤ؟ کائناتِ بسیط میں بالکل اکیلا بندہ بھی اگر اللہ کے دین پر رہنا چاہے تو اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ دین پر رہ سکتا ہے۔

روئے زمین پر اس وقت کم وبیش سات ارب کی انسانی آبادی ہے جس کا ایک تہائی حصہ کلمہ پڑھنے والوں کا ہے۔ اب اگر کلمہ ہمارے حلق سے نہ اترے اگرچہ ہم موروثی مسلمان ہیں تو یہ ایک الگ بات ہے۔ فرمایا: وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ۔۔۔اور یہ آپ کو ان (معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو اس (اللہ) کے سوا (انہوں نے تجویز کر رکھے) ہیں۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں۔ کبھی اپنے بتوں سے، کبھی جادوگروں سے، کبھی کافر حکومتوں اور باطل حکمرانوں سے، کبھی بدکار معاشرے سے اور مختلف چیزوں سے ڈراتے ہیں اس لیے کہ یہ خود گمراہ ہو چکے ہیں۔ یہ خود ان کے پجاری بن چکے ہیں۔ اُنہوں نے خود اللہ کا در چھوڑ دیا ہے۔

جو گمراہی پسند کرلے۔۔۔

فرمایا: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کردیں تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں فرمایا، جب انہوں نے خود کفر کا دامن تھاما تھا تو اللہ نے ان کی ہدایت کی توفیق سلب کرلی۔ اللہ نے انہیں گمراہی میں چھوڑ دیا۔ اب انہیں ہدایت نصیب ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ جو معاشرے کی دھمکیاں دیتے ہیں، حکومتوں اور کفر کی طاقتوں کی دھمکیاں دیتے ہیں، دیوی دیوتاؤں اور جادوگروں سے ڈراتے ہیں۔ انہیں اللہ نے گمراہ کردیا ہے کیونکہ وہ گمراہ رہنا چاہتے تھے۔ انہوں نے گمراہی کا راستہ چُنا تھا تو اللہ نے اُن پر مہر کردی کہ جاؤ اپنی پسند پر رہو۔ یہ تو اب خود واپس نہیں آسکتے کسی کا کیا بھلا کریں گے؟

جو اللہ کا راستہ پسند کرلے۔۔۔

جو اللہ کا دامن تھام لے: وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ۔۔۔اور جس کو اللہ ہدایت بخشیں تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔

جو اللہ پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لے اور جسے اللہ ہدایت دے دیں پھر کون ہے جو اُسے گمراہ کرسکے گا؟ اُسے پھر کوئی بھی گمراہ نہیں کرسکتا۔ جس کے کردار کی وجہ سے اللہ نے ہدایت سلب کرلی اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے اللہ نے ہدایت دے دی اُسے پھر کوئی مائی کا لعل گمراہ نہیں کرسکتا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ کیا اللہ غالب (اور) بدلہ لینے والے نہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کریم ہر چیز پر غالب اور سب سے زیادہ طاقتور اور قوت والے ہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ وہ انتقام لینے والے بھی ہیں۔ ہر کردار پر نتیجہ مرتب کرنے والے ہیں۔ ہر اچھے یا برے عمل، قول اور سوچ پر نتیجہ مرتب ہوگا۔ جو برائی کرتے ہیں وہ بُرا انجام بھی پائیں گے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔۔۔اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔فرمایا، اِن سے پوچھ لیجیے کہ یہ ارض وسما کا نظام، یہ کائنات، یہ مٹی کی گود جس میں کھربوں جڑی بوٹیاں، درخت، کھربوں جانور، پرندے، نباتات حیوانات، انسان، یہ ایک انبوہِ کثیر ہے جو ہر لحہ آ رہا ہے۔وہی انبوہ کثیر اسی زمین میں پھر واپس رہا ہے اور پھر وہی ہر لحہ جزوِ خاک بنتا جا رہا ہے۔کیا یہ بتوں نے بنایا ہے، جادوگروں نے بنایا ہے؟ یہ آسمان کی دنیا، یہ ستارے، سیارے یہ فرشتے، آسمانی نظام یہ کیا جادوگروں نے بنائی ہے؟ انہیں مجبوراً کہنا پڑے گا کہ یہ سب اللہ کا ہے۔جب نظام ہی اس کا ہے، اس نے پیدا کیا ہے تو یہ بت اور جادوگر اس میں تصرف کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ یہ کمال جادوگروں کا نہیں ہے۔یہ جادو کو برحق ماننے والوں کے ایمان کی کمی ہے۔آج لوگ کہتے ہیں جادو برحق ہے۔ایسے ظالم ہیں کہ باطل کو حق کہتے ہیں، حق کو حق نہیں کہتے۔انہیں خدا کا خوف نہیں ہے کہ باطل کو حق کہہ رہے ہیں۔

فرمایا، ان سے پوچھیے کہ یہ سارا نظام کس کا ہے تو کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ نظام تو اللہ ہی کا ہے۔ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ۔۔۔فرمایے بتاؤ تو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی دکھ پہنچانا چاہیں تو کیا یہ اس کے دیے ہوئے دکھ کو دور کر سکتے ہیں؟

فرمایا، یہ جو تمہارے دیوی دیوتا، بت، جادوگر ہیں، کیا یہ مجھے اس نقصان یا تکلیف سے بچا سکتے ہیں جو مجھے اللہ پہنچانا چاہیں؟ اگر اللہ کریم میرا کوئی نقصان کرنا چاہیں مجھ پر بیماری مسلط کر دیں یا کسی حادثے سے دوچار کر دیں یا کوئی عذاب مسلط کر دیں تو کیا یہ سارے بت، جادوگر، دیوی دیوتا مل کر مجھے بچا لیں گے؟ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ۔۔۔یا اگر وہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہیں تو کیا اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟

اگر اللہ مجھ پر رحم کرنا چاہیں، مجھے عزت دے دیں، دین اور اپنا قرب دے دیں، صحت دے دیں، دولت دے دیں تو کیا یہ سارے مل کر اس کی رحمت کو روک لیں گے؟ جب وہ کوئی تکلیف دینا چاہے تو یہ بچا نہیں سکتے وہ مہربانی فرمانا چاہے تو یہ روک نہیں سکتے تو پھر انہیں بتا دیں: قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ۔۔۔فرما دیجیے میرے لیے اللہ کافی ہے۔عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۝۳۸ بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

وہی ذات ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔اُس کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ کائنات ساری خود محتاج ہے۔ساری مخلوق محتاج ہے، اپنے وجود اور اپنی بقا میں محتاج ہے تو کوئی خالق کو چھوڑ کر مخلوق پر بھروسہ کیا کرے گا!

جو زندگی میں نہیں مانتے موت منوا لیتی ہے:

موت حقائق منوا لیتی ہے۔ فرمایا، اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو: قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فرما دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ میں (بھی) عمل کیے جاتا ہوں۔ سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ یہ بڑی صاف صاف ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات ہے لوگو! اگر میری بات نہیں مانتے تو پھر جو مانتے ہو اس پر عمل کرتے رہو۔ میں جو لایا ہوں میں اس پر عمل کر رہا ہوں۔ کوئی زیادہ دیر نہیں ہے، کسی بھی لمحے تمہاری زندگی کا چراغ بھی گُل ہو سکتا ہے، عنقریب نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (مشکوٰۃ) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا، جو مرتا ہے اس کی ایک قیامت تو آ گئی۔ برزخ سامنے آ گیا، دار العمل ختم ہو گیا، دار الجزا سامنے آ گیا تو اُسے سمجھ آ جائے گی کہ جو میں کہتا تھا وہ کیا تھا اور جس پر تم بضد تھے وہ کیا تھا۔ مجھے بھی دنیا سے پردہ فرمانا ہے میں بھی وہاں جاؤں گا میں بھی دیکھوں گا اور تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا: مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کرے گا اور (آخرت میں) کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

دیکھتے ہیں کس نظریے اور کردار پر اللہ کا عذاب آتا ہے اور اسے رسوا کرتا ہے۔ کس نظریے پر ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اگر تم زندگی میں نہیں مانتے تو موت تم سے یہ حقیقتیں منوا لے گی۔

قرآن سب کے لیے ہے:

فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ۔۔۔ بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے لیے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔

فرمایا، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ پر نوعِ انسانی کے لیے کتاب نازل فرمائی ہے۔ 'الناس' کہتے ہیں اولادِ آدم کو تو فرمایا، لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ۔۔۔ اسے اولادِ آدم کے لیے پورے حق کے ساتھ صداقت کے ساتھ نازل فرمایا۔ یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لی جائے کہ ہمارے ہاں اسلام کے نام پر بے شمار فرقے بن چکے ہیں جن میں سے بعض اتنے شدت پسند ہیں کہ وہ دوسرے فرقے کو مسلمان ماننے کو بھی تیار نہیں۔ یاد رکھیں! اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اسلام دینِ واحد ہے۔ اصول میں کوئی اختلاف نہیں البتہ فروعات میں اختلاف ہیں اور وہ باعثِ برکت ہیں۔ کچھ ساتھی نماز پڑھتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں جبکہ کچھ ساتھی نہیں کرتے۔ اصول کیا ہے؟

اصول ہے کہ تکبیر پر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ اللہ اکبر کہو تو ہاتھ اُٹھاؤ چنانچہ نماز میں تکبیر اولیٰ پر سب کانوں تک ہاتھ لے جاتے ہیں۔ اصول پر تو کوئی اختلاف نہیں ہے اب آگے اس کی تشریح ہے کہ صرف پہلی تکبیر پر ہی ہاتھ اٹھائے جائیں یا ہر تکبیر پر؟ تو یہ اختلاف تشریح کا ہے۔ یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ باعثِ برکت ہے۔ دونوں ٹھیک کرتے ہیں بس ترجیح کا فرق ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ صرف تکبیر اُوْلی پر ہاتھ اُٹھانا اور باقی پر نہ اُٹھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر کا انداز ہے اور یہ زیادہ باعثِ ثواب ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری تکبیروں پر ہاتھ اُٹھائے ہیں اور اس میں زیادہ ثواب ہے۔ وہ بھی سچے ہیں لیکن ایک دوسرے کو غلط نہیں کہتے لہٰذا فرقہ نہیں بنتا۔ جہاں اصول کا اختلاف آجائے وہاں فرقہ بنتا ہے۔ اصول میں اختلاف کیوں آتا ہے؟ دیکھیں اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے آپ پر انسانوں کے لیے، حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی یعنی کتاب صرف سنانا اور پڑھ کر بتانا مقصود نہیں بلکہ کتاب سمجھانا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے۔ قرآنِ کریم کی جو تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جو کہ قرآن کے پہلے گواہ ہیں سمجھائی اور انہوںؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس پر عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصدیق فرمائی۔ اگر آج سب لوگ قرآن کا صرف وہی معنی لیں تو کوئی فرقہ نہیں بنتا اور وہی صحیح ہے۔ ہم اپنی گرائمر اور صرف ونحو کے زور سے معنی اخذ کرتے رہیں گے تو جتنے کریں گے اُتنے فرقے بنتے چلے جائیں گے۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے نوعِ انسانی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ کتاب عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے کہ آپ لوگوں کو بتائیں اور اس کا مضمون سمجھائیں۔ اب اس کے بعد لوگوں کو اختیار ہے: فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٤١﴾ پس جو شخص راہِ راست پر آتا ہے تو اپنے لیے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو یقیناً گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

فرمایا، جس نے ہدایت اختیار کی، جو ایمان لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگیا، اُس نے اپنا فائدہ کیا، اپنا بھلا کیا جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی کا وبال بھی خود اس پر پڑے گا وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہا۔ جو کچھ کر رہا ہے اپنے لیے کر رہا ہے۔

اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کا منصبِ جلیلہ ان تک بات پہنچا دینا ہے، منوانا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر داروغہ مقرر نہیں کیے گئے کہ ڈنڈے سے بات منوائیں۔ یہ ان کی پسند ہے اللہ نے انہیں اختیار دیا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیں تو خوش نصیب ہیں، چھوڑ دیں گے تو تباہ ہو جائیں گے۔ یہ اختیار اُن کے پاس ہے کہ جو راستہ چاہتے ہیں وہ اختیار کرلیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے منوانا نہیں ہے۔

سورۃ الزمر رکوع 5 آیات 42 تا 52

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۤءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ
كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٣﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ
اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ
اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٦﴾
وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ
سُوْۤءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا
يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ
قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾
قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾
فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ سَيُصِيْبُهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾

اللہ ہی قبض فرماتے ہیں جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی تو
ان کی نیند کے وقت۔ پھر ان کو روک لیتے ہیں جن کی موت کا حکم فرما چکے اور باقی
جانوں کو ایک وقتِ مقررہ تک کے لیے بھیج دیتے ہیں بے شک اس میں فکر کرنے
والوں کے لیے دلائل ہیں ﴿۴۲﴾ کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لیے
ہیں۔ فرما دیجیے خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہی
ہوں ﴿۴۳﴾ فرما دیجیے کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ تمام آسمانوں
اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے پھر تم لوٹ کر اُسی کی طرف جاؤ گے ﴿۴۴﴾ اور
جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل گھٹنے لگتے
ہیں۔ اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتے ہیں ﴿۴۵﴾
فرما دیجیے اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے، پوشیدہ اور ظاہر کے
جاننے والے، آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان جن باتوں میں وہ باہم اختلاف
کرتے ہیں، فیصلہ فرمائیں گے ﴿۴۶﴾ اور اگر ظلم (کفر و شرک) کرنے والوں کے
پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان کے ساتھ اُتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو
قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لیے سب دے دیں اور ان پر
اللہ کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو گا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا ﴿۴۷﴾ اور ان کے
لیے ان کے تمام بُرے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا
کرتے تھے ان کو آ گھیرے گا ﴿۴۸﴾ پھر جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں
پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو
مجھے میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے ولیکن ان کے اکثر لوگ جانتے
نہیں ﴿۴۹﴾ بلاشبہ یہ بات ان سے پہلے بعض لوگوں نے بھی کہی تھی تو جو وہ کیا
کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا ﴿۵۰﴾ پس ان پر ان کے اعمال کے وبال پڑ
گئے اور جو لوگ ان میں سے ظلم کرتے رہے ہیں ان پر ان کے اعمال کے وبال

عنقریب پڑیں گے اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿۵۱﴾ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی جس کے لیے چاہتے ہیں روزی فراخ کر دیتے ہیں اور (جس کے لیے چاہتے ہیں) تنگ کر دیتے ہیں بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿۵۲﴾

تفسیر و معارف

عظمتِ الٰہی کی نشانیاں:

نیند اور موت اللہ کی عظمت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لوگ روز مرتے ہیں، روز زندہ ہوتے ہیں تو عظمتِ الٰہی کے قائل کیوں نہیں ہو جاتے، موت کی تیاری کیوں نہیں کرتے؟۔ دراصل اللہ کی یہ نشانیاں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہیں۔ ایسے لوگ جو تفکر کرتے ہیں جو عظمتِ الٰہی پر غور کرتے ہیں جو قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر توجہ دیتے ہیں جو حق کو تلاش کر کے مانتے ہیں اُن کے لیے اس میں بڑی نشانیاں اور بڑے دلائل ہیں۔

اللہ ہی قادر ہے، اسی کا بنایا ہوا نظام ہے۔ وہی ملک الموت کا بھی ربّ ہے۔ اسی کے بھیجے ہوئے فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔ ہر بندہ اس کے بنائے ہوئے نظام کا پابند ہے۔ جب کسی کے دنیا سے جانے کا معیّن دن آ جاتا ہے وہ چلا جاتا ہے کیا کوئی اپنی موت کو روک سکا ہے جب اس کی موت آ گئی ہو؟ بڑے بڑے شہنشاہ، خود کو خدا کہلوانے والے، فرعون، نمرود اور شدّاد جیسے ظالموں اور جابروں کی جب موت آئی تو کیا اُسے لوٹا سکے؟ امیر، غریب، دولت مند، فقیر، صحت مند، بیمار کیا کوئی اسے روک سکا؟ بلکہ ایسا ہوتے دیکھا گیا ہے کہ بیمار پڑے رہ جاتے ہیں اور تیمارداری کرنے والے پہلے انتقال کر جاتے ہیں۔

فرمایا: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا۔۔۔ اللہ ہی قبض فرماتے ہیں جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی تو ان کی نیند کے وقت، انسان کی روح اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہوتی ہے۔ جب کسی کا وقت پورا ہو جاتا ہے اللہ ان کی روح قبض کرنے کا حکم صادر فرما دیتے ہیں۔ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔۔۔ پھر ان کو روک لیتے ہیں جن کی موت کا حکم فرما چکے اور باقی جانوں کو ایک وقتِ مقررہ کے لیے بھیج دیتے ہیں۔

یہاں نیند اور موت کا تعلق بتایا گیا ہے کہ جب نیند آتی ہے، لوگ سو جاتے ہیں تب روح بدن میں نہیں ہوتی اللہ کے دستِ قدرت میں ہوتی ہے۔ ہاں! حیات کا تعلق منقطع نہیں کیا جاتا۔ سوتے میں حیات کا بدن کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔ جس کے لیے موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اس کی روح کو روک لیتا ہے وہ سوتا ہوا فوت ہو جاتا ہے اور جس کی قضا نہیں ہوتی اس کی روح کو پھر اس کے مقررہ وقت تک کے لیے اللہ واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت کی دعا سکھائی: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى یا اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔ (بخاری) اور جاگنے کی دعا سکھائی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (بخاری ومسلم) سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے موت کے بعد پھر زندہ کر دیا۔ ان دعاؤں سے بھی واضح ہوتا ہے کہ نیند موت کی بہن ہے۔

فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ بے شک اس میں فکر کرنے والوں کے لیے دلائل ہیں۔ اللہ کریم دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ لوگو! تم روز مرتے ہو اور نیند کے بعد روز زندہ ہو جاتے ہو تو اللہ کی عظمت کی اس نشانی پر غور کرو تاکہ ہدایت پا سکو لیکن یہ بات طے ہے کہ یہ دلائل اور نشانیاں انہی لوگوں کو سمجھ آتی ہیں جو حق کو تلاش کرتے ہیں جو تفکر کر کے حق قبول کرتے ہیں۔

سفارش، اللہ ہی کے اختیار میں ہے:

فرمایا: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا سفارشی بنا لیے ہیں فرما دیجیے خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہی ہوں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ کی عظیم نشانیوں کو دیکھ کر اس کی عظمت کا اقرار کر لیتے لیکن انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے مشکل کُشا، حاجت روا، سفارشی بنا لیے۔ کسی نے کہا ہمارا پیر ہمیں بچا لے گا، فلاں مُلّا صاحب بچا لیں گے، کسی نے کہا فلاں دیوی دیوتا بچا لے گا حالانکہ ان کے معبودانِ باطلہ تو وہ ہیں جن میں عقل و شعور ہی نہیں ہے۔ پتھر کے بت گھڑ کر رکھے ہوئے ہیں جنہیں گرمی، سردی، نیکی، بدی، بھلائی اچھائی یا برائی کسی کا کوئی شعور ہی نہیں اور باقی جتنے بھی ہیں اُن کے اختیار میں کچھ نہیں سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی بارگاہ میں بے اختیار ہیں لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا۔۔۔ کائنات میں کسی کا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہر ذرّے کا مالک وہ خود ہے جو خالق ہے۔ وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ ان منکرین میں اتنا شعور بھی نہیں کہ دیکھ لیں کس کو سفارشی بنا رہے ہیں؟ انہیں، جن کا اپنا بھلا برا اُن کے ہاتھ میں نہیں!

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۔۔۔فرما دیجیے کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اس کی بارگاہ میں تو یہ سفارش بھی نہیں کر سکتے کہ سفارش بھی اُس کی رحمت کا ایک شعبہ ہے۔ وہاں صرف وہ سفارش کر سکے گا جسے وہ اجازت دے گا اور اُن کی کر سکے گا جن کے لیے وہ اجازت دے گا۔ وہاں ایسا نہیں ہے کہ جو چاہے منہ اٹھا کر سفارش کے لیے چل دے۔ بارگاہِ الٰہی میں صرف وہ ہستیاں سفارش کر سکیں گی جن کو اللہ کریم سفارش کرنے کی اجازت دیں گے اور صرف اُن کے حق میں کریں گی جن کے لیے اجازت ہوگی۔ یہ سفارش اور شفاعت بھی محض اس کی رحمت سے ہے۔ اُسی کا کرم اور احسان ہے۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۴۴﴾ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے پھر تم لوٹ کر اُسی کی طرف جاؤ گے۔

کائنات کی حکمرانی اسی کو زیبا ہے کہ سب کچھ اُسی کا ہے۔ ایک بندے کے وجود سے لے کر، مال و دولت، اولاد، رشتہ دار، برادریاں، حکومت، اقتدار تک یہ سب بندے کو عارضی طور پر ملتا ہے لیکن جب دم نکلتا ہے تو کچھ بھی نہیں رہتا۔ ایمان یا کردار باقی رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں رہتا۔ فقیر مرتا ہے زیر زمین جاتا ہے، بادشاہ مرتا ہے زیرِ زمین، دو چادروں میں ہی جاتا ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر جو زیرِ آسمان ہے سب دھرتی کا مال ہے۔ زمین اور آسمانوں کی بادشاہت صرف اللہ کو سزاوار ہے۔

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

لوگو! اگر موت پر فسانہ ختم ہو جاتا قصہ تمام ہو جاتا پھر بھی خیر تھی مگر سچ تو یہ ہے کہ مر کر تمہیں مٹنا نہیں ہے بلکہ پھر زندہ ہو کر اُس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ زندگی تو شروع ہی موت سے ہوگی جس میں تمہیں تمہارے کردار کا معاوضہ دیا جائے گا۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

قبولیتِ حق کے لیے ایمان بالآخرت ضروری ہے:

فرمایا: وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۔۔۔اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل گھٹنے لگتے ہیں۔

فرمایا، جن کا آخرت کے ساتھ، قیامت کے ساتھ ایمان نہیں ہے ان کے سامنے جب اللہ کی توحید بیان کی جاتی ہے تو ان کے دل جلنے لگتے ہیں ان کے دل گھٹنے لگتے ہیں، بیٹھنے لگتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ان میں حق کو

قبول کرنے کی استعداد نہیں رہتی کہ قبولیتِ حق کے لیے ایمان بالآخرت ضروری ہے۔ کردار کی اصلاح کی بنیاد ہی ایمان بالآخرت ہے۔ جتنا کسی کو آخرت پر یقین ہوا اتنا ہی توفیقِ الٰہی سے وہ گناہ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جتنی جرأت اور دلیری سے ہم گناہ کرتے ہیں اتنا ہمارا آخرت پر یقین کمزور ہے یعنی ہم نتائج سے اتنے غافل ہیں۔ اگر ہمیں کوئی یہ خبر دے کہ یہ زہر ہے تو کیا ہم وہ چیز کھاتے ہیں؟ کبھی تجربہ بھی نہیں کرتے کہ کھا کر دیکھیں، مر گیا تو خیر ہے۔ کوئی نہیں کھاتا کہتا ہے کہ جب دوسرا کہہ رہا ہے کہ زہر ہے تو میں کیوں کھاؤں؟ اسی طرح گناہ بھی زہر ہے۔ اصدق الصادقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا یہ گناہ ہے یہ مت کرنا۔ ہم پھر کیوں کرتے ہیں؟ اس خبر پر یقین میں کمی ہے۔ ایمان کمزور ہے۔ ہم نے ایک راہ چلتے بندے کے بتانے پر تو یقین کر لیا کہ یہ زہر ہے اور رک گئے تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہ گناہ ہے تو ہم کیوں کرتے ہیں؟ اسے ایمان کی کمزوری کہا جاتا ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ جن کا آخرت پر یقین نہیں ہے یا کمزور ہے، جب ان کے سامنے عظمتِ الٰہی کی بات کی جائے تو ان کے دل گھٹنے لگتے ہیں۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔

اگر ان کے سامنے ان کے دیوی دیوتاؤں کی، بتوں کی اور لوگوں کی اور حکمرانوں کی تعریفیں کی جائیں تو چہرہ بہت کِھل اُٹھتا ہے۔ اللہ کی عظمت کی بات ہو تو دل بیٹھنے لگتا ہے۔ غیر اللہ کی تعریف کرو تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان کے لیے متفکر نہ ہوں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ اور آپ یہ دعا کیجیے: قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ فرما دیجیے اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے، پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے، آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان جن باتوں میں وہ باہم اختلاف کرتے ہیں، فیصلہ فرمائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے میرے پروردگار، اے میرے ربِّ عظیم، یہ سب تیرے بندے ہیں، تیری مخلوق ہے۔ تو ہی اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا کہ یہ صرف تجھی کو سزاوار ہے کہ تو ہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔

اللہ عالم الغیب ہے۔ اس کا علم حضوری ہے۔ جتنے مغیبات ہیں وہ اس کے سامنے حاضر ہیں۔ غیب کی نسبت مخلوق کی طرف ہوتی ہے کہ جو مخلوق سے غائب ہے وہ اللہ کے حضور حاضر ہے یعنی جسے فرشتے بھی نہیں

جانتے، انسان اور جن نہیں جانتے، جسے ارض وسما نہیں جانتے وہ جانتا ہے۔صرف وہی غیب کا جاننے والا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیں کہ اے اللہ بے شک آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔آج تو آپ نے انہیں اختیار دے رکھا ہے اس لیے یہ اختلافات کو ہوا دے رہے ہیں لیکن جب آپ کے حضور پہنچیں گے تو پتا چل جائے گا کہ سچ کیا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہ وقت اتنا مشکل ہوگا: وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔اور اگر ظلم (کفروشرک) کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لیے سب دیں۔۔۔

کفار و مشرکین کو یہ زعم تھا کہ انہیں ہر حال میں عزت و دولت ملتی رہے گی۔جس کا یہاں ردّ فرمایا گیا ہے کہ جتنی دولت، سونا چاندی، زر و جواہر پوری دنیا میں ہے یہ ساری ایک کافر کو دے دی جائے پھر اسے دوگنا کر دیا جائے اور وہ چاہے کہ یہ سب دے کر وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے تو یہ ممکن نہیں۔یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ جس کے بارے عذاب کا فیصلہ ہو جائے وہ کسی طریقے سے اپنی جان بچا سکے۔فرمایا: وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴿۴۷﴾ اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ امر ظاہر ہوگا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا۔

اللہ کی طرف سے انہیں پھر وہ حقائق دکھائے جائیں گے جن کا وہ دنیا میں گمان بھی نہیں کرتے تھے۔یہ لوگ دنیا میں کسی کو گالی دے دینا معمولی بات سمجھتے تھے۔کسی کی عزت لوٹ لینا، کسی کا مال دبا جانا اپنا کمال سمجھتے تھے۔سود کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ دولت مفت میں مل رہی ہے لیکن جس سزا کو وہاں دیکھیں گے تو اس کے بارے انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ ان پر کتنا عذاب آئے گا اور کتنی بڑی سزائیں ملیں گی!

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۴۸﴾ اور ان کے لیے ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ان کو آگھیرے گا۔

جب اپنی بداعمالیوں کے نتائج دیکھیں گے۔ برائی کی سزائیں اتنی بھیانک ہوں گی جو ان کے گلے پڑیں گی۔دنیا میں جب انہیں بتایا جاتا تھا کہ برے اعمال کا بُرا نتیجہ ہوگا۔بداعمالیوں کے نتیجے میں اللہ کا عذاب آئے گا تو یہ اس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ دیکھیں گے کیا ہوگا؟ افسوس ہے کہ اب ان کا مذاق اڑانا اپنے نتائج لے آیا۔ اب انہیں اس استہزا کرنے کا عذاب گھیر لے گا۔

انسان کی پرکھ:

انسان کی پرکھ اسی میں ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے یا خود کو عقلِ کُل سمجھتا ہے۔جب اللہ مصیبت کو

راحت میں بدل دے تو وہ اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے یا ذاتی کمال سمجھتا ہے۔ فرمایا: فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا۔۔۔ پھر جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ یعنی جب انسان ہر طرف سے مایوس ہوتا ہے، اتنا پریشان ہوتا ہے تو پھر اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ بڑے سے بڑا کافر بھی پھر میرا دروازہ ہی کھٹکھٹاتا ہے۔ ساری عمر خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون کو بھی جب برزخ نظر آ گیا، فرشتے نظر آ گئے تو اللہ ہی کی طرف بھاگا کہ توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا: آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (یونس: 91) فرمایا، اب (ایمان لاتا ہے)؟ حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

فرمایا، جب انسان پر مصیبت آتی ہے تو مجھ ہی کو پکارتا ہے اور پھر: ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ۔۔۔ جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھے میری تدبیر سے ملی ہے۔ فرمایا، جب میری طرف سے ان پر راحت آ جاتی ہے، فراخی آ جاتی ہے، صحت ٹھیک ہو جاتی ہے تو پھر کہتے ہیں کہ میرا علم تھا، میری عقل تھی،، میرا تجربہ تھا جس کی بدولت سب ٹھیک ہو گیا۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو اللہ کی عظمت ماننے کی بجائے اپنا کمال مانتے ہیں۔ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ۔۔۔ بلکہ وہ ایک آزمائش ہے۔ بے شک ہر مصیبت اللہ کی ایک آزمائش ہے جس میں اللہ کی عظمت کو تلاش کرنا چاہیے اور پا لینا چاہیے۔ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾ ولیکن ان کے اکثر لوگ جانتے نہیں۔ لوگوں کی اکثریت ان باتوں کا علم نہیں رکھتی۔ لوگ جہالت میں مارے جا رہے ہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾ بلاشبہ یہ بات ان سے پہلے بعض لوگوں نے بھی کہی تھی۔ تو جو وہ کیا کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا۔

ان سے پہلے بھی دنیا میں لوگوں نے ایسے دعوے کیے کہ ہمارا یہ کمال ہے، ہمارے پاس طاقت ہے، ہماری اتنی بڑی حکومت ہے اتنے بڑے لشکر ہیں۔ کہاں گئے وہ لاؤ لشکر؟ اُن کی دانشمندی کیا ہوئی؟ وہ اُن کی عقلیں کہاں گئیں؟ اُن کی فوجی طاقتیں، اُن کی دولتیں، اُن کی عمارتیں، مضبوط قلعے کیا ہوئے؟ وہاں تو اُلو بول رہے ہیں۔ اُن کی عقلمندیاں، دانشمندیاں سب کہاں گئیں؟ انہیں تو مٹی کھا گئی وہ اپنا آپ بھی نہ بچا سکے۔ جب انہیں اپنی کرتوتوں کا نتیجہ بھگتنا پڑا تو اُن کے دعوے انہیں اس نتیجے سے بچا نہ سکے۔ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥١﴾ پس ان پر ان کے اعمال کے وبال پڑ گئے اور جو لوگ ان میں ظلم کرتے رہے ہیں ان پر ان کے اعمال کے وبال عنقریب پڑیں گے اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔

ان کے کردار کی مصیبتیں جب اُن پر ٹوٹیں تو کوئی اسے روک نہ سکا۔ جو بھی ظلم کرتا ہے اس کا وبال اس پر پڑتا ہے پہلی امتوں کو دیکھ لو، آج بھی دیکھ لو اور آئیندہ بھی یہی ہوگا کہ عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

سب سے پہلا ظلم تو اللہ سے شرک ہے۔ سب سے بڑا ظلم دین کا، نبوت کا انکار ہے۔ اس کے بعد کردار کی باری آجاتی ہے کہ جب عقیدے میں ظلم شامل ہوجاتا ہے تو کردار اس سے کیسے بچ سکتا ہے؟ فرمایا، بڑے بڑے ظالم دنیا میں گزرے لیکن ان کے ظلم کی برائی بالآخر ان کے سر پر پڑی اور کوئی انہیں بچا نہ سکا۔ جو ظلم و زیادتی انہوں نے کی وہ انہیں بھگتنی پڑی ابھی تو برزخ میں پڑے سڑتے ہیں، یہ تو برزخ میں اُن کی مہمانداری ہے۔ جب میدانِ حشر میں پہنچیں گے تو مستقل عذابوں کا فیصلہ ہوگا۔ وہ آیندہ بھی خود کو نہیں بچا سکیں گے۔ میدانِ حشر میں بھی اُن کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا۔

ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں:

فرمایا: اَوَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ۔۔۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی جس کے لیے چاہتے ہیں روزی فراخ کر دیتے ہیں اور (جس کے لیے چاہتے ہیں) تنگ کر دیتے ہیں۔ رزقِ حلال کمانے کے چار معروف ذرائع ہیں، مزدوری، تجارت، ملازمت اور کاشتکاری۔ ان میں بھی اگر پوری دیانتداری سے معاملات نہ چلائے جائیں تو رزق حلال نہیں رہتا مثلاً کاشتکاری میں کسی کی زمین پر قبضہ کرلیا تو رزق حلال نہ رہا۔ تجارت میں سود شامل کر لیا تو رزق حلال نہ رہا۔ ملازمت میں تنخواہ لیتے رہے اور کام میں ہیرا پھیری کی تو حلال نہ رہا۔ اسی طرح پورے دن کی مزدوری لے کر کام میں کوتاہی کی تو اس میں حلال نہیں رہتا۔ گویا ہر جگہ ہر وقت اطاعتِ الٰہی مقصود ہے۔ پھر امیر غریب ہونا تمہاری مزدوری، تجارت یا محنت پر نہیں ہے بلکہ یہ میری تقسیم ہے۔ رزق کم یا زیادہ یہ اللہ کی تقسیم ہے۔

کیا ہم دیکھتے نہیں کہ جس بندے کو گاڑی چلانی نہیں آتی، اس کے پاس دس دس گاڑیاں ہیں اور جس کو چلانی آتی ہے وہ اس کے پاس ملازم ہے۔ اس کا ڈرائیور ہے۔ عقل کے حوالے سے بات کی جائے تو چاہیے تو یہ تھا کہ جس کو گاڑی کی سمجھ ہے اس کے پاس گاڑی ہوتی اور جو اس کے بارے سمجھ نہیں رکھتا اس کے پاس نہ ہوتی۔ اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ جو گاڑی کو ٹھیک کرنے کی قابلیت رکھتا ہے، کھول کر، جوڑ لیتا ہے خرابی دور کر دیتا ہے وہ اپنے اوزار لیے اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب کسی امیر کی گاڑی خراب ہو اور وہ ٹھیک کرانے آئے۔ دوسری طرف جسے اگر ایک تار اتر جائے تو پتا نہیں ہوتا کہ کہاں سے اتری ہے وہ ورکشاپ جاتا ہے کیونکہ اُس کے پاس گاڑیاں ہیں۔

کتنے ایسے ہیں جو دن بھر کچھ نہیں کرتے اور پھر بھی کھرب پتی ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو دن بھر مزدوری کرتے ہیں اور بمشکل کھانا ملتا ہے۔ والدین کروڑ پتی ہیں، بیٹا کنگال ہو جاتا ہے۔ والدین کنگال ہیں، بیٹا ارب پتی ہو جاتا ہے۔ فرمایا، رزق تقسیم کرنا میرا کام ہے، تمہیں کام کرنا ہے اور اُسے میری اطاعت میں کرنا ہے۔ میری عبادت سمجھ کر کرنا ہے۔ ملازمت، تجارت، مزدوری یا کاشتکاری یہ سب عبادت ہے اور عبادت تو کھری ہونی چاہیے۔ اس میں تو ملاوٹ نہیں ہونی چاہیے پھر آگے کس کے پاس کتنی دولت ہوگی، یہ میرے فیصلے ہیں۔ یہ تقسیم تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

درحقیقت ساری بات تو ایمان کی ہے۔ جسے ایمان نصیب ہو اس کے لیے ان باتوں میں عظمتِ الٰہی کے دلائل ہیں لیکن اگر کوئی ایمان سے عاری ہے تو اُسے کیسے سمجھ آئے گی۔ جسے ایمان نصیب ہوگا اُسے جہان میں جو تفاوت ہے، صحت و بیماری میں، غربت و امارت میں، یہ سب عظمتِ الٰہی کا پتا دے گی۔ اُس کے لیے یہ سب عظمتِ الٰہی کے دلائل ہیں۔

سورۃ الزمر رکوع 6 آیات 53 تا 63

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ
وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا
اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً
وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ
اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ
مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

آپ فرما دیجیے (میری طرف سے) کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا بے شک اللہ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرما دیں گے بے شک وہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحمت والے

ہیں ﴿۵۳﴾ اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرماں برداری کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے پھر (اس وقت) تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے ﴿۵۴﴾ اور اس نہایت اچھی (کتاب) کی پیروی کرو جو تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو (اس کی) خبر بھی نہ ہو ﴿۵۵﴾ کبھی کوئی شخص کہنے لگے (قیامت کو) کہ ہائے افسوس! اس (تقصیر) پر جو مَیں نے اللہ کے حق میں کی اور مَیں تو (احکامِ الٰہی کا) مذاق ہی اڑاتا رہا ﴿۵۶﴾ یا کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت فرماتے تو مَیں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا ﴿۵۷﴾ یا عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کاش! میرا (دنیا میں) پھر سے جانا ہو تو مَیں پرہیزگاروں میں سے ہو جاؤں ﴿۵۸﴾ ہاں بے شک تیرے پاس میری آیات پہنچی تھیں تو تُو نے انہیں جھٹلایا اور تُو نے تکبر کیا اور تُو کافروں میں شامل رہا ﴿۵۹﴾ اور آپ قیامت کے روز ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟ ﴿۶۰﴾ اور جو پرہیزگار ہیں ان کی کامیابی کے سبب اللہ ان کو نجات دیں گے ان کو ذرا تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۶۱﴾ اللہ ہی ہر چیز کے پیدا فرمانے والے ہیں اور وہی ہر چیز کے نگہبان ہیں ﴿۶۲﴾ اُسی کے اختیار میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اور جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۶۳﴾

تفسیر و معارف

موت سے پہلے قبولِ اسلام یا مومن کی توبہ:

فرمایا: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ آپ فرما دیجیے (میری طرف سے) کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ بے شک اللہ تمام (گزشتہ) گناہوں

کو معاف فرما دیں گے۔ بے شک وہ بڑے بخشنے والے، رحمت والے ہیں۔

یہ آیۂ مبارکہ تمام انسانوں کو اللہ کریم کی بے پایاں بخشش کی نوید سناتی ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی ہے لیکن وہ اُن کو اپنے بندے کہتا ہے جو اپنا عقیدہ درست کر لیں۔ جو انسان موت کے آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے وہ اللہ کی رحمت کو پالیتا ہے۔ کافر و مشرک زندگی کی مہلت میں کفر و شرک چھوڑ دے اسلام قبول کر لے تو اللہ کریم اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں اس کی سچی توبہ کے سبب اس کے تمام پچھلے گناہ بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ کی رحمت ناپیدا کنار ہے اس لیے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ گناہ سے توبہ کے لیے صحتِ عقیدہ شرط ہے۔ عقیدہ وہ رکھنا ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کی ذات وصفات کو ویسے ماننا جیسا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ اعمال و کردار کو اتباع نبوی میں لانا شرط ہے۔ اور خلوصِ دل سے اللہ کی طرف پلٹ جانا اور اطاعتِ الٰہی میں آجانا حقیقی توبہ ہے جس پر اللہ کی بخشش کی خوشخبری ہے۔

یہ آیۂ مبارکہ جہاں کفار و مشرکین کو اللہ کی رحمت کا احساس دلاتی ہے کہ وہ کفر چھوڑ کر ایمان اپنا لیں وہاں اہلِ ایمان کے لیے مژدۂ جانفزا ہے۔ اللہ کریم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اپنے بندوں سے بات کر رہے ہیں کہ اے میرے بندو! جو مجھے اپنا ربّ مانتے ہو۔ یعنی اللہ کی رحمت ان کے لیے وسیع تر ہے جو اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔ ایمان لانے والے وہ ہیں جو اللہ کی توحید کے قائل ہوں۔ اس کی قدرتِ کاملہ پر یقین رکھتے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام الانبیا، خاتم النبیین مانتے ہوں۔ جن کا قیامت پر پختہ یقین ہو، جزا وسزا کو مانتے ہوں۔ اس سب کے باوجود پھر انسان سے خطا ہو سکتی ہے، گناہ ہو سکتا ہے، جرم ہو سکتا ہے۔ بھول چوک ہو سکتی ہے۔ خطا عمداً، بالارادہ بھی ہو سکتی ہے اور لاعلمی یا جہالت کے باعث بھی گناہ ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات جو کچھ ہم نیکی سمجھ کر کرتے ہیں درحقیقت وہ گستاخی اور جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ مثلاً ایک شخص خیرات وصدقات دے رہا ہے، غریبوں کی مدد کر رہا ہے، سمجھتا ہے کہ میں نیکی کر رہا ہوں لیکن اس کے دل میں یہ بات ہے کہ میں بڑی دولت بانٹ رہا ہوں، میری بہت شہرت ہوگی تو پھر نیکی تو نہ رہی۔ گو صورتاً نیکی تھی، حقیقتاً جرم بن گیا۔ پھر بہت سے گناہ تو ہم جانتے ہوئے کرتے ہیں کہ وہ گناہ ہیں لیکن کرتے ہیں۔ یہاں خطاب اُن بندوں سے ہے جو 'عبادی' میں آتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں 'میرے بندے' یعنی جن کا عقیدہ درست ہے اور اُن سے غلطی ہو گئی تو انہیں فرما دیجیے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔۔۔ اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہونا۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں کیونکہ وہ سارے گناہ بخش سکتا ہے۔ اس کی بخشش کے سامنے ایسا کوئی گناہ نہیں جسے وہ معاف نہ کر سکتا ہو لیکن معافی کے لیے صحتِ عقیدہ شرط ہے۔ گناہ سے توبہ کے لیے بھی صحتِ عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کسی کا عقیدہ درست نہیں ہے تو محض توبہ توبہ

کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر عقائد درست ہوں، لیکن غلطی ہو جائے تو رجوع الی اللہ کرے، توبہ کرے تو اللہ معاف فرمادیں گے۔اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔۔۔اللہ تمام گزشتہ گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔شرط صرف یہ ہے کہ صحتِ عقیدہ کے ساتھ اس سے معافی طلب کی جائے۔توبہ سے مراد ہے گناہ کا اقرار، اس پر احساسِ ندامت اور آئندہ جرم نہ کرنے کا عزم اور یہ وعدہ کہ پوری کوشش، پوری ہمت سے اس جرم کے قریب بھی نہیں جاؤں گا اے اللہ! جو ہو چکا وہ مجھے معاف کردے۔اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ بے شک وہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحمت والے ہیں۔

اللہ کی تو ذات ہی ایسی ہے کہ وہ بہت بخشش اور رحم کرنے والے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ ہے:اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ) فرمایا، گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ساری مخلوق اُسی کی ہے لیکن جن کا عقیدہ درست ہے اُن کی ملکیت کا اظہار فرماتا ہے کہتا ہے یہ میرے بندے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی لوگ کس کے بندے ہیں؟ وہ لوگ خواہشات کے بندے ہیں، بتوں کے بندے ہیں، غیر اللہ کے بندے بنے ہوئے ہیں جس کو اپنا حاجت روا مانتے ہیں، جس کے سامنے فریاد کرتے ہیں، اُس کے بندے ہیں۔ میرے بندے تو وہ ہیں جو مجھ پر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ دراصل مخلوق تو ساری اُسی کی ہے وہی اُن کا خالق اور پالنہار ہے۔زندگی، صحت سب اُسی کی عطا ہے لیکن کیا سارے لوگ اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں؟ کس کا عقیدہ اور کردار یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اللہ ربّ العالمین کا بندہ ہے۔ کس کا کردار ثابت کرتا ہے کہ وہ غیر اللہ کا غلام ہے، خواہشاتِ نفس کا بندہ ہے۔فرمایا، اس کی توصفت ہی یہ ہے کہ وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

رجوع الی اللہ:

فرمایا:وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے پھر اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے۔ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاؤ، پوری طرح جھک جاؤ، وہ جو تمہارے ایک ایک ذرّے کی تربیت فرمارہا ہے۔وہ جو تمہاری ایک ایک سانس کو رواں رکھے ہوئے ہے، تمہاری ہر دھڑکن کا پاسباں ہے۔ اس کی طرف رجوع کرلو۔انابت سے مراد ہی یہ ہے کہ پوری طرح کسی چیز کی طرف جھک جانا، رجوع کرنا۔فرمایا، وہ تمہارا رب ہے، پروردگار ہے۔تمہاری ہر ضرورت کو ہمہ وقت، ہر جگہ پوری فرمارہا ہے تو تم بھی اس کی بات مان لو۔ اَسْلِمُوْا۔۔۔اس کی فرمابرداری کرو۔اس کی بات تسلیم کرلو۔اپنی حیثیت تو دیکھو، تم مربوب ہو، محتاج ہو۔ وہ تمہارا

ربّ ہے تمہارے وجود کا ہر ذرّہ اس کا محتاج ہے۔ تمہاری ذات کے سارے کمالات اس کی ذات کے محتاج ہیں۔ جب اس کے اتنے احسانات ہیں اور ہمہ وقت تم اس کے قبضۂ قدرت میں ہو اور لوٹ کر اس کے سامنے جواب بھی دینا ہے تو پھر اس کی بات مان لو۔ وہ جو حکم دے تم وہی کرو۔ اس لیے کہ جرائم اور گناہ وقوعِ عذاب کا سبب بن جاتے ہیں۔

وہ ربِّ کریم برسوں تمہارا انتظار کرتا ہے۔ تم عقائد خراب کر لیتے ہو، وہ تمہاری روزی بند نہیں کرتا۔ وہ ربوبیت کو تالا نہیں لگاتا، تمہارے وجود کے ہر ذرّے کو پال رہا ہوتا ہے۔ اس نے تمہیں حواس دیے، اولاد دی، عہدے و مرتبے دیے، مال و دولت دیا، گھر دیے، بے پناہ نعمتیں دیں۔ وہ تم سے کچھ نہیں چھینتا۔ ایک پنجابی کا شعر، ہمارے بزرگ، اللہ غریقِ رحمت فرمائے، پڑھا کرتے تھے۔

پالن والا سر تے حاضر کل جیاں نوں پالے
عیبی ویکھ ناں دھکے درتوں رنج ہو برات نہ ٹالے

تم جرم کرتے ہو، گناہ کرتے ہو وہ تمہارا رزق بند نہیں کرتا۔ وہ تمہیں موقع دیے جاتا ہے، دیے جاتا ہے تاکہ اگر جرم کرتے کرتے تمہارا پلڑا اتنا جھک جائے کہ عذاب وارد ہونے کے مستحق ہو جاؤ تو اس سے پہلے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر لو اور اس کی بات مان لو۔ وہ کریم تمہیں موقع دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ گناہ کرتے کرتے اچانک عذاب کی گرفت میں آجاؤ اور پھر کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہ ہو۔ اس لیے کہ جس پر اللہ کا عذاب وارد ہوتا ہے پھر کوئی اس کو بچا نہیں سکتا۔ اللہ کی نافرمانی اور جرائم عقائد کو تباہ کر دیتے ہیں، نظریات اور کردار کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔

فرمایا: وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اور اس نہایت اچھی (کتاب کی پیروی کرو جو تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو (اس کی) خبر بھی نہ ہو۔

وہ کتنا کریم ہے اور اس کا ذاتی کلام کیا ہی خوبصورت کلام ہے! کسی نے کیا خوب کہا ہے، 'کلام الملوک ملوک الکلام' یعنی بادشاہوں کا کلام، بادشاہوں کی بات، باتوں کی بادشاہ ہوا کرتی ہے۔ پھر وہ تو ربّ العالمین ہے۔ ساری کائنات کا خالق، مالک، حاکمِ اِلٰہ ہر طرح سے قادر، بھلا اس کی بات جیسی کوئی بات ہو سکتی ہے؟ کتنی پیاری، کتنی خوبصورت بات ہے جو اس کا ذاتی کلام ہے۔ خالق اپنی ذات میں بے مثل و بے مثال ہے اور اس کی جتنی تخلیق ہے، اس مخلوق میں اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل و بے مثال ہیں۔ کوئی دوسری ایسی مخلوق نہیں ہے، حُسنِ ظاہر میں نہ جمالِ باطن میں، اُن جیسا کوئی نہیں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

حُسن ظاہر سے تیرے روشن جہانِ رنگ و بُو
پر جمالِ باطنی کی ضوفشانی اور ہے

اللہ کی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئی ہے۔ انہیں محض الفاظ نہ سمجھو، محض حکایات یا قصے کہانیاں نہ سمجھو۔ یہ اللہ کی بات ہے جو اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ادا ہو کر مخلوق تک پہنچی۔ کتنی خوبصورت بات ہے جو تمہارے پروردگار نے تم پر نازل فرمائی کہ یہ بتقاضائے ربوبیت ہے۔

مخلوق کو پیدا کرنا، اُن کو پالنا اور اُن کی سب ضرورتیں پوری کرنا اس کی ربوبیت ہے۔ انسان کو اُس نے مادّی وجود دے کر اس کی ضرورت کے تمام ذرائع مہیا کر دیے۔ انسان کو عالمِ امر سے روح عطا کی تو اس کی تربیت کے بھی سارے ذرائع قرآن کریم میں نازل فرما دیے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات میں سمو دیے لہٰذا تم صرف بدن کو نہ پالتے رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ غفلت میں تم پر اچانک اللہ کا عذاب آ جائے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے کہ یہ کیسے اور کہاں سے وارد ہو گیا۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر عذابِ الٰہی آ جائے اور تمہیں پتا تب چلے جب عذاب کی گرفت میں آ چکے ہو تمہاری سمجھ میں ہی نہ آئے کہ اللہ کریم چھوٹے چھوٹے جھٹکے دیتے رہتے ہیں، دکھاتے رہتے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے زلزلہ آ جاتا ہے، طوفانِ بادوباراں آ جاتا ہے، سیلاب آ جاتے ہیں، سمندر زمین پر چڑھ دوڑتا ہے تو ہر طرف تباہی آ جاتی ہے۔ ہر چیز تہس نہس ہو جاتی ہے۔ فرمایا، ایسا نہ ہو کہ تم پر اچانک عذابِ الٰہی وارد ہو اور تمہاری سمجھ میں ہی نہ آئے کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔

یومِ حشر میں قرآن سے لاتعلقی کا وبال:

یہ نہ ہو کہ جب میدانِ حشر میں آؤ اور: اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ کبھی کوئی شخص کہنے لگے (قیامت کو) کہ ہائے افسوس! اس (تقصیر) پر جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو (احکامِ الٰہی) کا مذاق ہی اڑاتا رہا۔

قرآن کی باتوں میں کتنی مٹھاس، کتنا حُسن ہے اور یہ کتنا عالی شان کلام ہے لیکن ہم میں سے کتنے مسلمان ہیں جو قرآن کی روزانہ تلاوت کی سعادت حاصل کرتے ہیں؟ ہم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ چند آیات ہی سہی، کم از کم ایک آیت ہی سہی وہ تو روز پڑھ لیں۔ اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔ جب جانیں گے تو مانیں گے اور شاید پھر توفیقِ عمل بھی ارزاں ہو جائے لیکن افسوس کہ ہماری عمریں گزر جاتی ہیں اور ہم قرآن کو کھول کر نہیں دیکھتے۔ جب مر جاتے ہیں تو

پھر ٹھیکے پر پڑھاتے ہیں۔ طرح طرح کے کھانے پکا کر کھانے والوں کو بلا کر اُن سے قرآن پڑھوایا جاتا ہے۔ اُس قرآن کا میت کو کیا فائدہ ہوگا؟

ایک شرعی مسئلہ:

جنہوں نے قرآن پڑھا انہوں نے اس کو بدلے میں کھانا کھا لیا۔ جنہوں نے کھانا دیا انہوں نے قرآن پڑھالیا۔ قرآن پڑھنے پر ثواب مرتب ہوا نہ کھانا کھلانے پر کہ ادلے کا بدلہ ہوگیا۔ پھر میت کو کیا ملا؟ قرآن پڑھنے والوں نے کھانا کھالیا، جنہوں نے کھانا دیا وہ خیرات نہ کیا بلکہ اس کے عوض قرآن پڑھوالیا تو ثواب کہاں سے بنا؟ افسوس کہ مرنے والے کے ورثا میں سے کسی کو اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی کہ اللہ کی رضا کے لیے خود تلاوت کریں اور مرنے والے کو ایصال ثواب کر دیں۔ ایک پارہ یا ایک رکوع ہی تلاوت کر دیں لیکن اتنا تکلف کوئی نہیں کرتا۔ فرصت ہی نہیں ہے کسی کے پاس کہ لوگوں کو کاروبارِ دنیا ہی نہیں چھوڑتے۔ اگر کوئی وقت بچ جائے تو ہر ایک کے پاس موبائل ہے وہ نہیں چھوڑتا، اس پر ہر قسم کی خرافات بھی ہیں۔ اس پر ٹیلی وژن کے بھی سارے پروگرام دیکھے جا سکتے ہیں۔ کاروبارِ دنیا سے جو وقت بچتا ہے، لوگ موبائل پر گزار دیتے ہیں اور اس کے بعد جو وقت بچ جائے تو کمرے میں ایک ٹیلی وژن موجود ہوتا ہے اُس کی نذر ہو جاتا ہے۔

ایک زمانہ تھا اور یہ زیادہ دور کی بات نہیں ہے، ہم نے دیکھا ہے وہ زمانہ جب بھانڈ اور گانے بجانے والے لوگ ہوا کرتے تھے۔ جو لوگ نقلیں وغیرہ اتارتے تھے مذاق اڑایا کرتے تھے، انہیں بھانڈ کہا جاتا تھا اور جو گانے بجانے کا کام کرتے انہیں کسی اچھے نام سے نہیں پکارا جاتا تھا۔ عموماً شادی بیاہ کے موقعوں پر یہ لوگ آتے اور مہمانوں کو نقلیں اتار کر دکھاتے، گانے گاتے اور پیسے لیتے تھے۔ آج کل تو وہ سب ستارے بن گئے ہیں۔ انہیں اب STARS کہا جاتا ہے اور اُن کی چمک دمک ہی ہمیں بیٹھنے نہیں دیتی۔ دنیا کی خرافات سے وقت نہیں بچتا اگر کچھ بچ جائے تو وہ موبائل کھا جاتے ہیں اور وہاں سے کچھ بچ جائے تو گھر کے اندر STARS آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب یہ بھانڈ اور ناچنے گانے والے نہیں تھے تو کوئی شریف بندہ انہیں قریب سے بھی گزرنے نہیں دیتا تھا۔ اب چونکہ ستارے بن گئے ہیں تو ہر بندہ سینے پر سجائے پھرتا ہے۔ ظاہر ہے ستارے تو سینوں اور کندھوں پر ہی سجائے جاتے ہیں۔ ان سب نے مل جل کر ہم سے وہ وقت چھین لیا ہے جس میں ہمیں قرآن پڑھنا چاہیے تھا۔ ہمارے پاس اتنی فرصت بھی نہیں ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک آیت پڑھ لیں اس کا ترجمہ سمجھنے کی کوشش کریں تو پھر ہم کیسے مسلمان ہیں؟ جس مسلمان کو یہ ذوق ہی نہیں کہ میرے ربّ نے کیا فرمایا ہے، میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ تک کیا

پہنچایا ہے۔ جسے ساری زندگی اسے کھولنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی تو پھر کہاں رہی مسلمانی ؟ کیا بات رہ گئی ؟ یہ نہ ہو کہ میدانِ حشر میں کہو کہ افسوس! میں اللہ کی بات سے تو بے خبر ہی رہا۔ میں نے تو ساری زندگی کھول کر ہی نہیں دیکھا، پڑھا ہی نہیں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ میں تو مذاق اڑاتا رہا۔ میں تو یہی کہتا رہا کہ بڑے دیکھے ہیں مولوی، پیر اور نمازی اور داڑھی والے بھی دیکھ رکھے ہیں! میں تو مذاق ہی اڑاتا رہا اور اصل بات دیکھی ہی نہیں۔ ہائے! افسوس۔

قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، جو سب سے بڑا نبض شناس ہے لوگوں کی ہر حالت سے واقف ہے، فرمایا: اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۵۷﴾ یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت فرماتے تو میں بھی پرہیز گاروں میں ہوتا۔

میدانِ حشر میں جا کر انسان کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی پارسا ہوتا۔ مجھے اللہ نے ہی ہدایت نہیں دی تو میرا کیا گناہ ہے؟ یہی بات تو شیطان نے کہی تھی!

لوگو! اللہ کریم نے تمہیں وجود دیا، اس میں عالمِ امر کی روح عطا فرمائی۔ تمہیں عقل وشعور عطا کیا۔ اللہ نے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اپنا ذاتی کلام نازل فرمایا اور ایسا اہتمام کر دیا کہ قیامت تک اس قرآن کا کوئی نقطہ یا زیر زبر بھی کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو قیام تک کوئی نہیں روک سکے گا۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے بندے آگے پہنچاتے رہیں گے۔ اللہ کریم نے تو تمہارے سامنے نیکی اور بدی کے دونوں راستے رکھ دیے تھے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الانسان: 3) بے شک ہم نے اُسے راہ بھی دکھا دی۔ چاہے تو شکر ادا کرے اور چاہے تو ناشکرا ہو۔

اللہ کریم نے راستے واضح فرما دیے ہیں۔ اب یہ انسان کا اپنا فیصلہ ہے کہ چاہے تو شکر کا راستہ اختیار کرے اور چاہے تو کفر کر کے دیکھ لے۔ یہ فیصلہ تمہارا ہے، اللہ نے تم پر مسلط نہیں کیا۔ اب یہ نہ کہنا کہ اللہ ہدایت دیتا تو ہم بھی نیک ہو جاتے۔ ہمارا کیا گناہ ہے اگر اللہ ہی نے ہدایت نہیں دی؟

یہ کتنی باریک باتیں ہیں۔ اللہ خالق ہے، مالک ہے۔ وہ جانتا ہے۔ فرمایا: اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۸﴾ یا عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کاش! میرا (دنیا میں) پھر سے جانا ہو تو میں پرہیز گاروں میں سے ہو جاؤں۔

ایسا نہ ہو کہ وہاں جا کر تم کہو کہ کاش ایک دفعہ پھر سے دنیا میں بھیج دیا جاؤں تو بہت خلوصِ دل سے عبادت اور نیکی کروں۔

یہ ناممکن ہے۔ تمہیں دوبارہ کوئی نہیں بھیجے گا۔ یہ زندگی ایک سنہری موقع ہے، GOLDEN CHANCE ہے۔ جس طرح کھیلوں میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے جب کسی کھلاڑی کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا کھیل کھیلے اگر وہ کامیابی سے کھیل لیتا ہے تو جیت جاتا ہے اور اگر نہیں کھیل پاتا تو ہار جاتا ہے۔ یہ فیصلہ کن موقع صرف ایک بار عطا ہوا ہے، اسے سنہری موقع یا GOLDEN CHANCE کہتے ہیں۔ یہ زندگی بھی ایک گولڈن چانس ہے، دوبارہ نہیں ملے گی۔ تمہیں دوبارہ کوئی نہیں بھیجے گا۔ اُس دن یہ نہ کہنا کہ کاش! ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیجا جاؤں تو بہت پارسا ہو جاؤں گا۔

دنیا میں دوبارہ جانے کی آرزو رکھنے والو! ذرا بات تو سنو۔ تم دنیا میں گئے تھے۔ تم نے عقل و شعور پایا۔ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۵۹﴾ ہاں بے شک تیرے پاس میری آیات پہنچی تھیں تو تُو نے انہیں جھٹلایا اور تُو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں شامل رہا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ تمہیں دنیا میں عقل و شعور عطا کیا گیا اور تمہارے پاس میری بات پہنچی۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا پیغام گھر گھر پہنچایا لیکن تم نے مانا ہی نہیں۔ تم نے انکار کر دیا، تکذیب کر دی کہ ہم سے یہ نہیں ہوتا۔ تم اکڑ گئے کہ ہم کیوں کسی کی مانیں؟ ہم خود دانشور ہیں، سمجھدار ہیں ہمیں سب پتا ہے۔ تم میرے احکام کا انکار کرنے والوں میں سے ہو۔

آج تو یوں لگتا ہے کہ دنیا میں دیانت و امانت نہیں رہی۔ ہم بڑے بڑوں کو تو کوستے رہتے ہیں کہ وہ رشوت لیتے ہیں یا قومی خزانہ لوٹتے ہیں لیکن ہمارا قومی کردار یہ ہے کہ ایک ادنیٰ سا مزدور جسے کسی مزدوری پر لگایا جائے، وہ بھی یہ کوشش نہیں کرتا کہ جس کام کی اجرت اُسے لینی ہے وہ کام پورا کرے۔ وہ بھی کام چوری کر لیتا ہے، خواہ دس منٹ کی کرے۔ جو سبزی کی چھابڑی لگاتا ہے اس کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ قیمت تازہ سبزی کی وصول کرے اور دیتے ہوئے دو چار پرانی سبزیاں ساتھ رکھ دے۔ یہ ہمارا قومی کردار ہے کہ جتنا بس چلے ہم اتنی بے ایمانی کر لیتے ہیں پھر جن کا بس زیادہ چلتا ہے وہ زیادہ کر لیتے ہیں۔ اسے ختم کرنا ہے تو اسے قومی مزاج سے نکالو۔ اللہ کریم کی بات سنو کہ وہ کیا فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنو اور یاد رکھو کہ آج موقع ہے، آج مان لو۔ ورنہ پھر فرمایا جائے گا کہ تیرے پاس تو میری آیات آئی تھیں مگر تو نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں خود جانتا ہوں کہ کیسے اور کیا کام کرنا ہے، میں خود کروں گا۔

فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ۔۔۔ اور آپ قیامت کے روز ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا۔

جنہوں نے اللہ کی بات کا انکار کیا اور اس پر ایک اور زیادتی یہ کی کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر انہیں اللہ کا حکم قرار دیا تو اس جرم کی پاداش میں قیامت کے روز اُن کے چہرے جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہو رہے ہوں گے۔

اَلَيۡسَ فِىۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى لِّلۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ کیا ان تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟

فرمایا ایسے متکبرین کے لیے کیا دوزخ ہی موزوں جگہ نہیں ہے؟ وہاں پہنچیں گے تو انہیں سمجھ آ جائے گی لیکن اس سمجھ آنے کا کیا فائدہ؟

اہلِ تقویٰ کی اخروی کامیابی:

فرمایا: وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا بِمَفَازَتِهِمۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوۡٓءُ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اور جو پرہیزگار ہیں ان کی کامیابی کے سبب اللہ ان کو نجات دیں گے۔ اُن کو ذرا تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جن لوگوں نے اللہ سے تعلقات استوار کیے، اللہ کو اپنا ربّ مانا، اللہ کو حاکم مانا، اس کی تابعداری کی اللہ کے احکام بجالائے وہ نجات یافتہ ہوں گے۔ انہیں تو قیامت کا زلزلہ متاثر کرے گا نہ ہی عذاب ہوگا۔ انہیں تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ نجات پانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ کوئی تکلیف نہ ہو۔ انہیں سوا نیزے پر سورج کی گرمی تکلیف دے گی نہ ہی بھڑکتا ہوا دوزخ کچھ کرے گا۔ انہیں عذابِ الٰہی نہ قیامت کا زلزلہ متاثر کرے گا۔ نجات کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی کوئی تکلیف، کوئی دکھ انہیں چھوئے گا بھی نہیں۔ یہ اعزاز اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ سے تعلق استوار رکھا۔ اُن کی خوبی یہ تھی کہ وہ اس رشتے کو قائم رکھتے تھے، اللہ کی اطاعت کرتے رہے، عقائد کو درست رکھا۔ چنانچہ وہ نجات میں ہوں گے۔ انہیں کوئی پریشانی ہوگی نہ ہی کوئی دکھ یا افسوس ہوگا۔ اس لیے کہ ہر شے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

اللہ ہی سب کے خالق اور نگہبان ہیں:

فرمایا: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ﴿۶۲﴾ اللہ ہی ہر چیز کے پیدا فرمانے والے ہیں اور وہی ہر چیز کے نگہبان ہیں۔

اللہ کریم ہر چیز کے خالق ہیں۔ عذاب وثواب کے خالق اور مالک بھی اللہ ہی ہیں۔ وہ قادر ہے کہ ایسی بارش برسا دے جو آدھے ملک کے لیے آبادی کا سبب بنے اور آدھے ملک کے لیے بربادی کا سبب بن جائے۔ وہ قادر ہے کہ ایک ہی لمحہ ایک شخص کے لیے سخت عذاب بن جائے اور دوسرے کی راحت کا سامان بن جائے۔ یہ سب اس کی قدرتِ کاملہ ہے۔ وہ ہر چیز کا بنانے والا ہے۔ اس نے کسی سے خرید کر یا مانگ کر ملکیت حاصل نہیں کی بلکہ خود بنائی ہے لہٰذا حقیقی مالک وہی ہے۔ وہ ہر چیز کا نگہبان بھی خود ہے۔ کس چیز نے کس وقت کہاں کیا کرنا

ہے، وہ قادر ہے خود نگہبانی فرماتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو وہ قادر تھا فرشتوں کو حکم دے سکتا تھا کہ انہیں اُچک لیں یا آگ بجھادیں۔ ایسا نہیں کیا بلکہ براہ راست آگ کو حکم دیا: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیآء:69) ہم نے (آگ کو) حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی (کا سبب) بن جا۔

آگ کا خالق بھی تو اللہ ہے۔ آگ کو حکم دیا کہ تُو ہمیشہ جلاتی ہے کہ تجھے میں نے جلانے کے لیے پیدا کیا ہے لیکن جلنے کے باوجود ابراہیم علیہ السلام کے لیے تو بادِ بہاری بن جا۔ تُو جلتی رہ لیکن تیرے شعلے اُنہیں ٹھنڈک پہنچائیں۔ تیری لپٹیں انہیں لوریاں دیں، آگ بھی مخلوق ہے اس کی کیا مجال ہے کہ سرتابی کرے چنانچہ وہ جلتی ہوئی آگ ان کے لیے جنت کا نمونہ بن گئی۔ بظاہر دیکھنے والوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لیے وہاں گلزار کھلے ہوئے تھے۔ بے شک ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے۔

فرمایا: لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ اُسی کے اختیار میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں۔

زمین اور آسمانوں کے سارے اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں۔ 'مَقَالِیۡد' کا معنی ہے چابیاں۔ یہ جمع کا صیغہ ہے یعنی بہت ساری چابیاں۔ فرمایا، سارے وسائل و ذرائع کو استعمال کرنے کی قوت صرف اس کے دستِ قدرت میں ہے کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ وہ واحد مالک ہے اور اس کی ملکیت میں کوئی شریک نہیں۔ زمین و آسمانوں کے تمام نعمتوں کے خزانے اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۶۳ اور جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے وہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ فرمایا، جو اللہ کے احکام، اللہ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں دیکھ لینا وہ لوگ گھاٹے میں ہیں۔ جب موت آئے گی، جب اس زندگی کے کھیل کا حجاب ختم ہو جائے گا آخرت اور اس کے نتائج سامنے آ جائیں گے تو پتا چل جائے گا کہ انکار کرنے والوں نے کتنا نقصان اٹھایا۔ انہوں نے کس قدر گھاٹے کا سودا کیا!

سورۃ الزمر رکوع 7 آیات 64 تا 70

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ
قَدْرِہٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ
بِیَمِیْنِہٖ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا
ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا وَوُضِعَ الْکِتٰبُ
وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾
وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

فرما دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا کہتے ہو؟ ﴿۶۴﴾ اور یقیناً آپ کی طرف اور جو پیغمبر آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کی طرف وحی بھیجی جا چکی ہے کہ (اے عام مخاطب!) اگر تُو شرک کرے گا تو تیرا سب کام ضرور تباہ ہو جائے گا اور تو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا ﴿۶۵﴾ بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا ﴿۶۶﴾ اور انہوں نے جیسی چاہیے تھی ویسی اللہ کی قدر شناسی نہیں کی اور قیامت کے دن تمام زمین اُس کی مٹھی میں ہو گی اور تمام آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے ﴿۶۷﴾ اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں میں ہیں اور

جوزمین میں ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جس کو اللہ چاہیں پھر دوسری
دفعہ اس (صُور) میں پھونکا جائے گا تو سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ﴿۶۸﴾ اور
زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور کتاب (نامہء اعمال کھول کر) رکھ
دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور سب کے ساتھ انصاف سے
فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی ﴿۶۹﴾ اور ہر شخص کو اس کے اعمال
کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتے ہیں ﴿۷۰﴾

تفسیر و معارف

اسلام کھرا ہے:

اسلام غیرِ اسلام سے خلط ملط نہیں ہوتا۔ اسلام کھرا اور صاف ستھرا مذہب ہے۔ اللہ واحد کی عبادت، اللہ واحد کی اطاعت۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔ قرآن پر عمل۔ قرآن میں کسی دوسرے کی بات داخل نہ کرنا۔ کلمہءاسلام لَا سے شروع ہوتا ہے۔ دنیا کا ہر نظریہ اقرار سے شروع ہوتا ہے کہ یہ بات مانو۔ اسلام انکار سے شروع ہوتا ہے کہ پہلے سب بتوں کا، سب غیر اللہ کا انکار کرو۔ لَا اِلٰہَ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب لوحِ دل صاف ہو جائے تو وہاں لکھو: اِلَّا اللہ سوائے اللہ کے۔ اسلام پہلے انکار کرواتا ہے، تمام بتوں کا، تمام اوہام کا۔ اگر انکار نہ کیا جائے تو اس کا مطلب اقرار ہوتا ہے۔ دو ہی کام ہیں۔ انکار یا اقرار، درمیان میں کچھ نہیں۔ جو کفر کا انکار نہیں کرتا وہ ایک طرح سے کفر کو بھی مانے بیٹھا ہے۔

کفار و مشرکین خود تو گمراہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق سن کر بجائے اس حق کو قبول کرنے کے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمید کرنے لگے کہ وہ بھی ان کی طرح غیر اللہ کی عبادت کرنے لگ جائیں۔ اس پر ارشادِ باری ہوا: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴿۶۴﴾ فرما دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا کہتے ہو؟ اللہ کریم نے فرمایا، اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان مشرکین سے کہیے کہ تم کتنے جاہل ہو، مجھ سے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے توقع رکھتے ہو کہ میں ان بتوں کو مان لوں گا۔ کیسے جاہل ہو! اسلام حق ہے اور شرک باطل۔ حق اور باطل خلط ملط نہیں ہوتے۔ دونوں میں سے ایک کو اپنانا ہوتا ہے۔ اگر باطل کا انکار کرنا چھوڑ دیا تو اس کا مطلب ہے کہ باطل کو قبول کر لیا۔ تم لوگ ایسے جاہل ہو کہ اس بات کو نہیں سمجھ سکے۔ مسلمان کی تو یہ شان ہے کہ اللہ کے حکم کے مقابل اسے کسی کی پروا نہیں ہوتی۔

شرک بہت بڑا خسارہ ہے:

فرمایا: وَلَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۵﴾ اور یقیناً آپ کی طرف اور جو پیغمبر آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کی طرف وحی بھیجی جا چکی ہے کہ (اے عام مخاطب!) اگر تو شرک کرے گا تو تیرا سب کام (عمل) ضرور تباہ ہو جائے گا اور تو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ پر بھی یہ وحی نازل ہوئی اور آپ سے پہلے تمام انبیاؑ کو بھی وحیٔ الٰہی سے یہ بات بتائی گئی کہ جو کوئی میری توحید، میری ذات وصفات میں کسی کو شریک بنائے گا اس کی ساری نیکیاں، بھلائیاں، عبادات ضائع ہو جائیں گی۔

شرک کی کئی صورتیں ہیں۔ جیسے مشرکین کہتے ہیں کہ بے شک اللہ ہے لیکن یہ بُت، دیوی، دیوتا یہ اللہ کے مقرب ہیں اور ان کے کہنے سے سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا بندہ ہے اس کا مقرب ہے اس کے کہنے پر سب کچھ ہوتا ہے۔ کرتا اللہ ہی ہے لیکن اس کی بات مانتا ہے۔ شرک کی دوسری صورت عملی زندگی میں ہوتی ہے۔ ہمیں پتا ہوتا ہے کہ اللہ نے یہ کام کرنے سے روکا ہے لیکن کوئی حاکم، افسر، دوست یا عزیز ہمیں اللہ کی بات کے خلاف کہتا ہے اور ہم اسے راضی کرنے کے لیے وہ کام کر گزرتے ہیں جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی نافرمانی ہے تو یہ بھی شرک کی ایک صورت ہے۔ اللہ کی بات جانتے ہوئے کسی دوسرے کی بات مان لی تو گویا اسے اللہ کے برابر مان لیا۔ فرمایا، ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی آگاہ فرما دیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے تمام انبیاؑ کو بھی بتا دیا تھا کہ جو کوئی بھی شرک کرے گا اس کی ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ اور وہ سخت خسارے میں چلا جائے گا۔

عظمتِ الٰہی:

فرمایا: بَلِ اللّٰهَ فَاعۡبُدۡ وَكُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِیۡنَ ﴿۶۶﴾ بلکہ (ہمیشہ) اللہ ہی کی عبادت کرنا اور شکرگزار رہنا۔ یعنی غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کے لیے ہے۔ اللہ ہی کی عبادت کرنا، اللہ ہی کی اطاعت کرنا۔ کسی دوسرے کی بات مانی ہو تو اللہ کے حوالے سے مانو۔ یعنی اللہ کی بات سنائے تو اس کی بات سنو۔ اللہ نے جس بات سے روک دیا ہے وہ کسی کی نہ مانو۔ اور یاد رہے جسے اللہ کی اطاعت اور عبادت کی توفیق ہو جائے اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اللہ کی اطاعت کی توفیق ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے۔ اس پر غرور نہ کیا جائے کہ بڑا پارسا بن گیا ہوں بلکہ اللہ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے نیکی کرنے کی توفیق دے رکھی ہے۔

اللہ کریم نے زمین و آسمان کے سارے وسائل انسان کے لیے مسخر کر دیے۔ کائنات کو انسان کی خدمت پر لگا دیا۔ یہ لوگ زمین و آسمانوں کی تمام نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں لیکن ان ذرائع اور طریقوں سے حاصل کرتے ہیں جن سے اللہ نے روکا ہے۔ یہ اللہ کی عظمت کا انکار ہے۔ انہیں عظمتِ الٰہی کا شعور ہی نہیں اور یہ اللہ کی قدر و منزلت نہ کر سکے۔ فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔۔۔ اور انہوں نے جیسی چاہیے تھی ویسی اللہ کی قدر شناسی نہیں کی۔

کائنات پر مکمل اختیار صرف اللہ کا ہے:

فرمایا: وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ۔۔۔ اور قیامت کے دن تمام زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ اس آیہ مبارکہ میں بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز یہ حقیقت سامنے آ جائے گی، سارے بھید کھل جائیں گے، واضح ہو جائے گا کہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ زمین و آسمان اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جیسے کوئی شے مٹھی میں ہو اور کائنات پر مکمل اختیار اسی کا ہے۔ اور سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾ وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔ اس دن ان منکرین کو سمجھ آ جائے گی کہ اللہ کی ذات بہت پاک، بہت بلند ہے اور یہ لوگ جو شرک کرتے رہے، شرکیہ رسومات کرتے رہے یہ بہت بڑی غلطی پر تھے۔ انہوں نے بڑا ظلم کیا۔

صور پھونکا جائے گا:

فرمایا: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔۔۔ اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جس کو اللہ چاہیں۔

مفسرینِ کرام نے لکھا ہے کہ قرنا (صور) پھونکا جائے گا۔ آہستہ آہستہ ایک آواز قرنا شروع ہوگی جیسے کوئی بگل بجتا ہے۔ وہ بڑھتی جائے گی حتّٰی کہ اتنی ہیبت ناک ہو جائے گی کہ آبادیوں سے لوگ جنگلوں کو بھاگیں گے اور جنگلی جانور آبادیوں کو بھاگیں گے۔ ساری زمین کپکپا اٹھے گی۔ آواز اتنی بلند ہو جائے گی کہ سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں گے۔ پہاڑ ذرّہ ذرّہ بن کر منتشر ہو جائیں گے۔ آواز کی تیزی میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ آسمانی مخلوق اور زمینی مخلوق سب ہوش گنوا بیٹھیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی ذی روح باقی نہ رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ محفوظ رکھے۔

اللہ کے بندے ایسے ہوں گے جنہیں اس کا پتا ہی نہیں چلے گا کہ کہاں قرنا (صور) پھونکا گیا اور کہاں قیامت برپا ہو گئی۔ گویا اس گھڑی بھی جب فرشتے بھی موت کے گھاٹ اتر رہے ہوں گے۔ آواز کی تیزی سے آسمان پھٹ رہے ہوں گے، سورج چاند جھڑ جائیں گے۔ زمین تھر تھرا کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ کے ایسے بندے بھی ہوں گے جنہیں پتا ہی نہیں ہو گا کہ کہیں قیامت بھی ہے۔ یہ اس لیے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ غور کرو۔ بھلا تم ان میں کیوں شامل نہیں ہوتے؟

اللہ کریم ایسے قادر ہیں کہ صور سے جب چاہیں جو کام لیتے ہیں۔ فرمایا: ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ پھر دوسری دفعہ اس (صور) میں پھونکا جائے گا تو سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ یعنی وہ صور جو پہلی مرتبہ ساری کائنات کی موت کا سبب بن گیا وہ قرنا (صور) جس نے آسمان پھاڑ کر رکھ دیے۔ زمینیں اڑا کر رکھ دیں جب دوبارہ پھونکا جائے گا تو حیات آفرین ہو گا۔ جو پہلے موت کا سبب تھا اب اسے حیات کا سبب بنا دے گا۔ پہلی بار پھونکا جائے گا تو کائنات کو تباہ کر دے گا۔ دوسری بار پھونکا جائے گا تو ہر مردہ زندہ ہو جائے گا۔ اور سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو گا کہ کیا ہو گیا، ہم کہاں آ گئے؟

عین اس وقت: وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ۔۔۔ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور کتاب (نامۂ اعمال کھول کر) رکھ دی جائے گی۔ اُس وقت زمین تجلیاتِ باری سے روشن ہو جائے گی۔ حساب کتاب کا وقت آن پہنچے گا۔ ہر فرد کا اعمال نامہ کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور سب کے ساتھ انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی۔

اللہ کریم کی طرف سے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔ ہاں! جو اپنے آپ پر خود زیادتی کرتے رہے اس کا نتیجہ انہیں خود بھگتنا پڑے گا۔ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔ ہر فرد کو جو کچھ اس نے دنیا میں کیا، اس کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ جس نے بھلا کیا، بھلا پائے گا۔ بُرا کیا بُرا پائے گا۔ جس نے اللہ کی اطاعت کی پھر غلطی ہو گئی، توبہ کر لی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیا وہ محفوظ رہے گا۔ ہر شخص کو اس کے کردار کا بدلہ عطا کر دیا جائے گا اور کس نے کیا کیا؟ اس کو سب سے بہتر اللہ کریم خود جانتے ہیں کہ کس نے کیا کیا۔ اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

سورۃ الزمر رکوع 8 آیات 71 تا 75

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ
رَبِّکُمۡ وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ هٰذَا ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَلٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَةُ
الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۷۱﴾ قِیۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ
فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۷۲﴾ وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَی الۡجَنَّةِ
زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ
عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِیۡنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ صَدَقَنَا
وَعۡدَهٗ وَاَوۡرَثَنَا الۡاَرۡضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الۡجَنَّةِ حَیۡثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعۡمَ اَجۡرُ
الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَی الۡمَلٰٓئِکَةَ حَآفِّیۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ
رَبِّهِمۡ ۚ وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَقِیۡلَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۵﴾

اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور ان سے اس (دوزخ) کے محافظ کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور تم کو اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے کہیں گے کہ ہاں! ولیکن کافروں پر عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا ﴿۷۱﴾ (پھر ان سے) کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے، پس تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے ﴿۷۲﴾ اور جو

لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے انکو گروہ گروہ جنت کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر تم مزہ میں رہو سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ ﴿۷۳﴾ اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا فرمایا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں سو (نیک) عمل کرنے والوں کا بدلہ بھی کیا خوب ہے ﴿۷۴﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ان (تمام لوگوں) میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا سب طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو جہانوں کے پروردگار ہیں ﴿۷۵﴾

تفسیر و معارف

کفار، گروہ در گروہ۔۔۔

جب فیصلہ ہو جائے گا تو لوگ گروہ در گروہ اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف جائیں گے۔ جو کفر کرتے رہے، دنیا میں اللہ کے نافرمان رہے انہیں اپنے اپنے جرائم کے مطابق جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا۔ ہر جرم کے مجرموں کا ایک الگ گروہ ہوگا۔

فرمایا: وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۔۔۔ اور کافروں کو گروہ در گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ جب وہ وہاں گروہ در گروہ پہنچیں گے تو دوزخ کے پاسبان فرشتے پوچھیں گے کہ تم انبوہ در انبوہ یہاں دوزخ میں کیا لینے آ گئے۔ کیا تمہارے پاس اللہ کے نبی اور رسول علیھم السلام نہیں آئے تھے؟ کیا وہ اللہ کے احکام نہیں لائے، کیا انہوں نے تمہیں اس دن کے عذاب اور اس کی مصیبت سے بروقت مطلع نہیں کر دیا تھا؟ وہ کہیں گے، بے شک اللہ کے نبی مبعوث ہوئے تھے۔ ہم تک اُن کی تبلیغ پہنچی تھی، اللہ کی کتاب کے احکام ہم تک پہنچے

تھے۔ پیغمبرؐ نے اس دن کے عذاب سے بچنے کا حکم دیا تھا۔لیکن اب اُن کے اقرار کرنے کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اب ان کا ماننا نہ ماننا برابر ہے۔جہنم کے دروازے پر کھڑے ہوکر کون جہنم کے ہونے کا انکار کرے گا۔اب ماننا تو ان کی مجبوری ہوگی۔ جب اللہ کے نبیؐ منواتے تھے تب انہوں نے نہیں مانا۔اب ان پر اللہ کا حکم نافذ ہوجائے گا۔عذاب وارد ہوگا اور کفار کا انجام یہی ہے۔ان سے کہا جائے گا: قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ اب یہاں کھڑے ہوکر بحث کرنے کی فرصت نہیں، باتیں نہ کرو، جہنم میں داخل ہوجاؤ۔اب تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔تم دنیا میں آیاتِ الٰہی سے تکبر کرتے تھے۔آج اس کے برے انجام کو بھگتو۔اب باتوں کا وقت گزر گیا۔تکبر کرنے والوں کا کتنا تکلیف دہ اور کتنا بُرا ٹھکانہ ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

اہلِ تقویٰ کی پذیرائی:

اہلِ جنت کو عزت کے ساتھ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے گا۔نیک اعمال کرنے والوں کے گروہ بنیں گے۔شہدا کے، صالح لوگوں کے درجہ بدرجہ اچھے لوگوں کے گروہ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ جنت کے دروازوں پر اللہ کے فرشتے ان کی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ان لوگوں نے اللہ پر یقین رکھا، اللہ کی اطاعت کی، اللہ سے تعلقات رکھے۔ان کے بارے فرمایا: وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾

اہل جنت کا تذکرہ ہورہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اللہ سے تقویٰ کا تعلق رکھا۔لفظ تقویٰ کا متبادل لفظ اردو میں نہیں ہے اس لیے اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے اور سمجھانے کے لیے جملوں میں وضاحت کرنا پڑتی ہے۔تقویٰ کا اگر یہ معنی کیا جائے کہ جن لوگوں نے دنیا میں اللہ سے بنا کر رکھی تو یہ قریب ترین معنی ہوجاتا ہے۔اللہ کے یہ فرمانبردار بندے جب جنت کے دروازوں پر پہنچیں گے تو فرشتے کہیں گے، اللہ کی سلامتی ہو تم پر آج تم کامیاب ہوئے۔تم نے بڑی مبارک اور پاکیزہ زندگی گزاری سو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہوجاؤ۔تمہیں یہاں کی پاکیزہ زندگی مبارک ہو۔

اللہ کے فرمانبردار اور شکر گزار بندے اس وقت اللہ کا شکر ادا کریں گے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾

اور کہیں گے سب تعریفیں اس مالک کی ہیں، سب کمال، سب خوبیاں اس کی ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اللہ کریم نے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لو میں تمہیں جنت انعام میں دوں گا۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس نے آج ہمیں جنت کا وارث بنا دیا۔ ہم جہاں چاہیں، جیسے چاہیں رہیں۔ جس ہستی سے چاہیں ملاقات کے لیے حاضر ہو جائیں۔ جس کی زیارت کی تمنا کریں، وہ نصیب ہو جائے جہاں چاہیں سیر وتفریح کے لیے جائیں ہم پر کوئی پابندی نہیں۔ بے شک اس کا وعدہ سچا ہے۔ عمل کرنے والوں کا کیا خوبصورت بدلہ ہے، کیا خوبصورت انعام ہے!

فرمایا: وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔ اور ان (تمام لوگوں) میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا سب طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو جہانوں کے پروردگار ہیں۔ یہ اعلان ہوگا کہ تمام خوبیاں تمام کمالات صرف اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے۔

سورۃ المومن رکوع 1 آیات 1 تا 9

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝٢ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ
التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝٣ مَا
يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝٤
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ
اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ
فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٥ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝٦ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا
وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝٧ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ
وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝٨ۙ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ
وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩

حٰمٓ۔ اس کتاب کا نازل فرمایا جانا اللہ غالب (اور) جاننے والے کی طرف سے
ہے ﴿۲﴾ جو گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول فرمانے والا ہے، سخت سزا دینے والا
(اور) کرم فرمانے والا۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اُسی کی طرف پھر کر

جانا ہے ﴿۳﴾ اللہ کی آیات (قرآن) میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں سو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے ﴿۴﴾ ان سے پہلے نوح (علیہ اسلام) کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے جو ان کے بعد ہوئے، بھی جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق جھگڑتے رہے تاکہ اس (ناحق) سے حق کو باطل کردیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا ﴿۵﴾ اور اسی طرح کافروں پر آپ کے پروردگار کا ارشاد پورا ہوا کہ وہ لوگ دوزخ (کے رہنے) والے ہیں ﴿۶﴾ جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے بخشش مانگتے رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے، تو جن لوگوں نے توبہ کی اور آپ کے راستے پر چلے ان کو بخش دیں اور دوزخ کے عذاب سے ان کو بچا لیں ﴿۷﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، داخل فرمایے اور جو ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی بے شک آپ غالب، حکمت والے ہیں ﴿۸﴾ اور ان کو (ہر قسم کی) کی تکالیف سے بچالیں اور جس کو آپ نے اس دن تکالیف سے بچا لیا پس یقیناً اس پر آپ نے مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے ﴿۹﴾

تفسیر و معارف

سورۂ مومن شروع ہوتی ہے۔ یہ مکی سورتوں میں سے ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ مکی سورتوں میں عقائد کی بحث زیادہ ہے۔ اور مدینہ منورہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں اعمال اور اسلامی نظام کے تمام شعبوں پر بات ہوئی ہے۔ احکام ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: حٰمٓ ① یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے معنی اللہ کریم جانتے ہیں اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں یا جن پر اللہ اپنی عطا فرما دے۔ ان حروف کا پڑھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا باقی قرآن کی تلاوت کرنا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو قرآن کا ترجمہ نہ بھی آتا ہو لیکن وہ تلاوت کرتا رہے تو برکات سے محروم نہیں رہتا۔ تلاوت سے دل صاف ہوتا ہے۔ نورِ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، دل نیکی کی طرف راغب اور برائی سے بیزار ہوتا ہے۔ جو ترجمہ بھی پڑھے، سمجھے، عمل کرے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

صفاتِ باری:

فرمایا: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② اس کتاب کا نازل فرمایا جانا اللہ غالب (اور) جاننے والے کی طرف سے ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی ذات ہی ایسی ذات ہے جو غالب ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے، مالک ہے، قائم رکھنے والا ہے۔ جسے وہ قائم رکھتا ہے وہ رہتی ہے جسے وہ نہیں رکھنا چاہتا وہ نہیں رہتی۔ اسے اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ کوئی اس کی عظمت کا اقرار کرے یا نہ کرے۔ دنیا کے سارے انسان ولی اللہ ہو جائیں تو اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا اور خدانخواستہ سارے ہی کافر ہو جائیں تو اس کی عظمت میں رائی برابر فرق نہیں پڑتا۔ وہ غالب ہے وہ کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، مغلوب ہونا مخلوق کی صفت ہے۔ غالب ہو کر بھی وہ عزیز ہے۔

وہ عزیز ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے اپنی اس مخلوق یعنی انسان کو یہ شعور بخشا کہ اس کا ضمیر زندہ ہو، اس کا دل بیدار ہو، اس میں یہ سوال اُٹھے کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں، مجھے کس نے پیدا کیا ہے، مجھے کہاں جانا ہے، میرا سفرِ حیات کیا ہے؟ انسانوں کا ایک جمِ غفیر روزانہ زیرِ زمین جا رہا ہے اور ایک جمِ غفیر روزانہ دنیا میں وارد ہو رہا ہے۔ یہ کہاں سے آ رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں؟ یہ شعور بھی اس کا احسان ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ الْعَلِيْمِ ہے کہ ہر چیز ہمہ وقت اس کے حضور میں حاضر ہے وہ الْعَزِيْزِ بھی ہے۔ اس نے انسان کو یہ شرف بخشا کہ اپنی کتاب نازل فرمائی جو تمام انسانوں کو ہدایت کا راستہ دکھاتی ہے۔ اس نے اپنا کلام نازل فرما کر اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لے لیا۔ جب تک سورج طلوع و غروب ہوتا رہے گا اس عزیز و غفار کا یہ پیغام دنیا میں موجود رہے گا۔ اب یہ انسان پر چھوڑ دیا کہ وہ اللہ کی بات سنتا ہے یا نہیں۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ ۔۔۔ اس کتاب کا نازل فرمایا جانا اس کا بہت بڑا کرم ہے۔ وہ جو ہر چیز جانتا ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ کتاب نازل کرتا۔ یہ اس کی ضرورت نہیں، انسان کی ضرورت تھی کہ وہ جانے، ہدایت کیا ہے؟ نیکی

کیا ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا۔ انسانیت کیا ہے؟ میرا مقام کیا ہے، میں کہاں سے آیا ہوں، مجھے کہاں جانا ہے، آگے کیا ہے؟۔ اللہ، خالق، مالک و رازق جو زندگی دیتا ہے اور زندہ رکھے ہوئے ہے اسی نے زندگی کی حقیقتوں پر بحث کی ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ تمہیں کیسے بنایا گیا، تم کہاں سے آئے ہو، کہاں جاؤ گے، وہاں کیا ہوگا؟ اور یہ کہ تمہیں کیوں بنایا گیا؟ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذریٰت:56) اور میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ میری عبادت کریں۔ انسان کا مقصدِ تخلیق ہی عبادتِ الٰہی ہے۔ عبادت سے مراد اطاعت ہے۔ اطاعت بھی وہ جو خلوصِ دل سے ہو یعنی اللہ کو پہچان کر بندہ دل سے فیصلہ کرے، عظمتِ الٰہی کو دل سے قبول کرلے۔ یہ ساری حقیقتیں انسان کی ضرورت ہیں اس لیے اُس کریم نے کتاب نازل فرمادی۔

وہ ایسا کریم ہے غَافِرِ الذَّنْۢبِ جو گناہ کا بخشنے والا وَقَابِلِ التَّوْبِ ۔۔۔ اور توبہ کا قبول فرمانے والا ہے۔ یہ اُسی کی شان ہے کہ گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔ یہ اسی کی عظمت ہے کہ توبہ قبول کرلے۔ اس کی بخشش اتنی وسیع ہے کہ اس نے کوئی شرط نہیں لگائی کوئی چور ڈاکو ہے، فاسق ہے، قاتل ہے تو اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا۔ کوئی شرط نہیں۔ فرماتا ہے جو کچھ کر چکے ہو اس پر نادم ہو جاؤ۔ میری بارگاہ سے بخشش طلب کرو، توبہ کرلو، آئندہ کے لیے اصلاح میں لگ جاؤ تو میں گزشتہ گناہ معاف کردوں گا۔ اب اس سے بڑی رعایت کیا ہوسکتی ہے۔ اتنے مہربان اور کرم فرمانے والے کے اتنے کرم کے باوجود کوئی عذابِ الٰہی کی گرفت میں آتا ہے تو بڑا ہی بدنصیب ہے۔ پھر وہ یاد رکھے کہ جو بغیر توبہ کیے مرجائیں گے تو اس کے عذاب بھی بہت شدید ہیں۔ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۔۔۔ سخت سزا دینے والا۔ اس دنیا میں کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ دوزخ کے عذاب کتنے شدید ہیں۔ اگر کسی نے یونہی عمر ضائع کردی۔ کفر و شرک میں مر گئے۔ برائی میں ہی عمر گزار دی، بغیر توبہ کیے مرگیا تو یاد رکھے اللہ کے شدید عذابوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کے بارے کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔

اس کے باوجود وہ ذِي الطَّوْلِ ۔۔۔ (اور) کرم فرمانے والا ہے۔ جو بھی کر چکے ہو اس کی بارگاہ میں آجاؤ، توبہ کرلو۔ اور کوئی دروازہ نہیں ہے۔ کہاں جاؤ گے؟ وہ بہت کریم ہے۔ اس نے انسانیت کی ہدایت کے لیے انبیاؑ مبعوث فرمائے، کتابیں نازل کیں۔ یہ بھی یاد رکھو! لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اس کی بارگاہ کے علاوہ کوئی دروازہ نہیں جہاں فریاد کی جائے۔ وہی ہے جو فریادیں سنتا ہے، مصیبتیں ٹالتا ہے، کرم نوازیاں کرتا ہے۔ وہی ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے اللہ کا در چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ کوئی دوسرا اس جیسا نہیں۔ کوئی نہیں۔ کوئی اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوا جائے، اس کے سامنے توبہ کریں، اس سے گناہ معاف کروائیں۔ صرف

اللہ واحد ولاشریک ہی عبادت کے لائق ہے۔اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

اور اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ ہر ایک کو واپس اس کی بارگاہ میں ہی جانا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ اس کے قبضۂ قدرت سے نکل سکتے ہو یا یہ کہ برائی کرتے کرتے مرجاؤ گے، مٹی میں مل جاؤ گے اور کوئی تم سے جوابدہی نہیں کرے گا۔ایسا نہیں ہے۔ ہر متنفس کو واپس اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے۔کوئی چھپ سکے گا نہ بھاگ سکے گا۔کوئی راستہ نہیں۔ ہر حال میں، ہر صورت اس کے حضور میں جانا ہے تو پھر نافرمانی کا کیا جواز؟ پھر اطاعت کیوں نہ کی جائے کہ جس میں سکھ ہے، عافیت ہے۔

قرآن پر اعتراضات وہی کرتے ہیں جو کافر ہیں:

فرمایا: مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔اللہ کی آیات (قرآن) میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں۔

لوگ نورِ نبوت پہ اعتراض کرتے ہیں، نزولِ کتاب پہ اعتراض کرتے ہیں۔ حیات بعد الموت پہ بحث کرتے ہیں کہ ''مر کر مٹی ہو جائیں گے پھر کیسے زندہ ہوں گے؟ جو پہلے لوگ مر گئے اُن میں سے کوئی زندہ ہو کر نہیں آیا۔قیامت تو آج تک قائم نہیں ہوئی تو پھر یہ کیسے کہتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو سب زندہ ہو جائیں گے'' ۔۔۔فرمایا، یہ باتیں کون کرتا ہے؟ سوائے کفار کے کوئی نہیں کرتا۔

اللہ کے کلام، اس کے کرم میں کوئی کمی نہیں۔ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی بھی عام ہے۔اس طرف سے ہرگز کوئی کمی نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے اپنے دل میں کفر ہے۔ بظاہر ہر بندہ کچھ بھی ہو، کوئی نام رکھا ہو، کسی لباس میں ہو لیکن اس کے اندر وہی کفر ہوتا ہے جو وہ آیاتِ الٰہی کو قبول نہیں کرتا اور اس کے اندر سے اعتراضات اٹھتے ہیں۔

کفار کا شہروں، ممالک پر قبضہ پریشانی کی بات نہیں:

فرمایا: فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ سو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔فرمایا، اے مخاطب! کفار کے علاقوں پر قبضے اور حکومتیں دیکھ کر پریشان نہ ہو جانا۔ یہ اللہ کے نام کا حصہ ہے۔ دنیا ایسے ہی چلتی ہے۔دنیا میں ہر ایک کو وسائل دے کر اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ ہر ایک کو مہلت دی جاتی ہے دنیا کے معاملات کو انسانی کردار سے وابستہ کیا گیا ہے۔کافر ہے یا مومن جو جتنا کردار کو نبھاتا ہے اتنا فائدہ دنیا میں پاتا ہے لیکن آخرت ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔دنیا میں بعض کافر بھی فلاحی کام کر جاتے ہیں۔ ہسپتال بنا دیتے ہیں جن سے

لوگ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ اللہ کریم ایسی ذات ہیں کہ کافر کی نیکی بھی ضائع نہیں کرتے۔ اس کی نیکی کا بدلہ اُسے دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ چونکہ آخرت پر تو کافر کا یقین نہیں، نہ وہ آخرت کے لیے نیکی کرتا ہے۔ آخرت کا یقین ہوتا تو نبی ٔرحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے کام کرتا تو آخرت میں اجر پاتا۔ اللہ کریم ان کا اجر انہیں دنیا میں دے دیتے ہیں لہٰذا اگر کفار کے پاس اقتدار ہے، کافر حکومتیں ہیں، شہروں پر ان کے قبضے ہیں تو یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ یہ وقتی، عارضی اور لمحاتی باتیں ہیں۔ انہیں میدانِ حشر میں آنا ہے۔ وہاں پتا چلے گا کہ کفر اور اسلام میں کتنا فرق ہے۔ ایمان اور کفر میں کتنا فاصلہ ہے؟ ایمان کی کتنی قدر و قیمت ہے اور کفر پر کتنے سخت عذاب ہیں!

اگر دنیا کے مال و دولت اور دنیا کے اقتدار کو دین سے جوڑ دیا جاتا تو پھر اس اقتدار و حکومت کو، مال و دولت کو حاصل کرنے کے لیے سب ہی لوگ نیک ہو جاتے۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر عبادت کرتے کہ وزیر بن جاؤں، دوسرا اس سے زیادہ دیندار بنتا کہ وزیر اعظم بن جاؤں۔ مال و دولت یا حکومت و اقتدار کا کافروں کے پاس ہونا، دنیا کا نظام ہے۔ اس نے اسے ترتیب دیا ہے۔ سیاسیات، معاشیات، عدلیہ، تعلیم و تعلّم یہ نظامِ زندگی کے شعبے ہیں۔ دنیا میں جو لوگ بھی یہ سب کام سلیقے اور اصول کے مطابق کرتے ہیں، اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن آخرت کا فائدہ صرف ایمان سے مشروط ہے۔ جو ایمان نہیں لاتے وہ چندے دنیا کی زندگانی سے فائدہ اٹھا لیں آخرت میں انہیں انکار کے سبب عذابوں سے واسطہ پڑے گا۔ اس سے آگے نوح علیہ السلام کی قوم کی مثال دی۔

فرمایا: كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ۔۔۔ ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے وَّالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۔۔۔ اور دوسرے گروہوں نے جو ان کے بعد ہوئے بھی جھٹلایا تھا۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے اسی طرح انکار کیا تھا جس طرح آج کے کافر کرتے ہیں۔ اُن کے بعد کئی قومیں بھی آئیں جنہوں نے اپنے پیغمبرؑ کو جھٹلایا۔

نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر خصوصی طور پر اس لیے بھی کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ وہ قوم مادّی علوم میں ماہر اور سائنسی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ قوم تھی۔ اس قوم نے مادّیات میں اتنی ترقی کی کہ آج کا انسان اسے سمجھ نہیں سکتا۔ ماہرین نے کھدائی کے دوران ایسا پتھر دریافت کیا جو مختلف قسم کی مٹی اور پتھر لے کر اسے پیس کر اس پر ایک خاص قسم کا مائع محلول ڈالتے۔ اسے مختلف صورتوں میں ڈھال لیتے۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اسے راستوں پر رکھ دیتے۔ دن بھر وہ سورج کی شعاعیں جذب کرتا رہتا، رات ہوتی تو وہ روشن ہو جاتا اور ساری رات راستوں کو روشن رکھتا۔ آج کے سولر سسٹم میں خاص پلیٹیں ہوتی ہیں، بیٹری ہوتی ہے پورا سسٹم ہوتا ہے لیکن اُن کے ہاں براہ راست پتھر کو ہی روشن کرنے والا محلول تھا جو اُن کی ایجاد تھا۔ دنیوی اعتبار سے اتنی ترقی یافتہ قوم تھی، اُن کے پاس

حکومت واقتدار تھا، وہ اللہ کی تقسیم تھی۔ اللہ نے انہیں اتنی نعمتیں دیں اور وہ اللہ کے دین کو جھٹلاتے ہی رہے۔ اپنے نبیؑ کا تمسخر اڑاتے رہے۔ نوح علیہ السلام نے جب اللہ کے حکم پر جہاز نما بڑی سی کشتی بنانا شروع کی تو قوم نے مذاق اڑایا کہ صحرا میں میلوں پانی نہیں ملتا اور یہ ریت پر کشتی چلائیں گے!

اسی طرح اُن کے بعد آنے والی قوموں نے بھی انکار کیا۔ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍۭ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَٰدَلُوا۟ بِٱلْبَٰطِلِ لِيُدْحِضُوا۟ بِهِ ٱلْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٥ اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق جھگڑتے رہے تا کہ اس (ناحق) سے حق کو باطل کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا۔ سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔

یہ لوگ مادی وسائنسی ترقی میں عروج پر تھے۔ خود کو مہذب اور ترقی یافتہ سمجھتے تھے۔ خود پر فخر کرنے والے لوگ تھے اس لیے کائنات میں اپنی پسند سے جیتے تھے۔ اللہ کے حکم پر اپنی رائے کو ترجیح دیتے اور اپنی مرضی کرنے والے تھے۔ انبیاؑ نے جب اللہ کا پیغام پہنچایا کہ حق کا راستہ اس طرح جینے میں ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے طرز زندگی میں نہیں تو انہیں تکلیف ہوئی کہ ہم اپنی خواہش سے جئیں گے، ہم کسی کی بات کیوں مانیں۔ وہ نہ صرف انبیاؑ سے جھگڑا کرتے رہے بلکہ ظلم میں اس حد تک بڑھ گئے کہ انبیاؑ کو گرفتار کرنے کے پروگرام بنانے لگے۔ نبیوںؑ کو شہید کرنے کی کوششیں کرنے لگے تا کہ کوئی اُنؑ کی بات نہ سنے۔ تا کہ حق کو روک سکیں۔ جب وہ سرکشی میں اس حد تک بڑھے، اللہ کے نبیوںؑ سے مقابلہ کیا تو اللہ کریم کی پکڑ میں آ گئے۔ جب اللہ نے پکڑا تو اس کی گرفت میں ایسے آئے کہ بے نشاں ہو کر رہ گئے۔ پھر دیکھ لو ان کا حشر کیا ہوا! اور دیکھ لو کہ اللہ کا عذاب کیسا ہوتا ہے! اُن کے انجام نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی کہ یہ دوزخ کے رہنے والے لوگ ہیں۔ یہ دنیا میں اللہ کے عذاب میں رہے اور اسی عذاب میں دنیا سے گئے اور اسی طرح عذاب میں ہی رہیں گے۔ ان کا کردار ایسا تھا کہ انہوں نے نبیوںؑ کو، کتاب اللہ کو، اس کی عظمت کو ماننے کے بجائے ان کا مقابلہ شروع کر دیا۔

اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی رحمتِ مجسم ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام اپنے عہد کی وہ واحد ہستی ہے جو اللہ کی بات اللہ سے سن کر اس کی مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ نبی وہ عظیم ہستی ہے جو مخلوق کو بارگاہِ الٰہی سے ملاتا ہے۔ جو لوگوں کے لیے یہ بات سہل کر دیتا ہے کہ جینا، مرنا کیسے ہے، زندگی کیسے گزارنی ہے، عقیدہ کیسا رکھنا ہے، عمل کیسے کرنا ہے اور کردار کو مقبولِ بارگاہِ الٰہی کیسے بنانا ہے۔ اللہ کے نبیؑ کی دعوت کو ٹھکرانے والے، اللہ کی کائنات میں اپنی مرضی سے جینے والے، نبیوںؑ کے دشمن جب نبیوںؑ سے جھگڑے تو پھر پکڑے گئے اور اللہ کی بات ثابت ہو گئی کہ یہ اہل دوزخ ہیں فرمایا: وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۝٦ اور اسی طرح کافروں پر آپ کے پروردگار کا ارشاد پورا ہوا کہ لوگ دوزخ (کے رہنے) والے ہیں۔

اللہ کے کرم کا مظہر:

انسان اللہ کو بھولا ہوا ہے لیکن اللہ اپنے کرم سے بندوں پر مہربانی فرماتے رہتے ہیں۔ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔

اللہ کے مقربین فرشتے جنہیں ہمہ وقت بارگاہِ الٰہی میں حضوری نصیب ہے جو عرش الٰہی کو اٹھائے کھڑے ہیں اور ان کے اردگرد خدام فرشتے جو عرشِ الٰہی سے متعلق ہیں وہ ہمہ وقت اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، پختہ ایمان سے جڑے ہوئے ہیں۔ جب ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو نورِ ایمان سے منور رہتے ہیں یعنی ذکرِ الٰہی بھی ایمان کی پختگی کا ذریعہ ہے۔ ایمان میں اضافہ کے لیے بہترین نسخہ تقدیسِ الٰہی ہے، ذکرِ الٰہی ہے۔

اللہ کریم کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ نے اپنے مقربینِ بارگاہ فرشتوں کو اس کام پر لگا رکھا ہے کہ وہ مومنین کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ اُن کے دعا کرنے سے مومنین کا نورِ ایمان بڑھتا ہے۔ وہ عرض گزار رہتے ہیں کہ اے ربّ ان لوگوں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامانِ رحمت تھاما ہوا ہے تو اُن کی مغفرت فرما دے۔ اور: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور آپ کے راستے پر چلے ان کو بخش دیں اور دوزخ کے عذاب سے بچا لیں۔ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت بہت وسیع ہے اور آپ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ آپ تو خود جانتے ہیں۔ آپ کے بندے غلطیاں کرتے ہیں گناہ کرتے ہیں تو جنہوں نے گناہوں سے توبہ کر لی، تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیا، تیرے راستے پر چلنے لگ گئے تو انہیں معاف فرما دے، بخش دے۔

ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا ہم حاملینِ عرش کو جانتے ہیں، کیا ہماری ان سے ملاقات ہے، کیا ہم نے ان سے کبھی بات کی ہے؟ اس اکرم الاکرمین نے خود احسان فرما کر ان کی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لے۔ خواہ کفر و شرک چھوڑ کر آئے، گناہ چھوڑ کر آئے، تم اس کے لیے میری بارگاہ میں درخواست کرتے رہو، دعا کرتے رہو۔

اللہ کے کرم کے کیا کیا مظہر ہیں، معاف کرنے، بخشنے، دوزخ سے بچانے کے لیے بہانے بنا رکھے ہیں۔ اپنی رحمت لٹانے کے کیا طریقے بنائے ہیں۔ رحمت لٹائی جا رہی ہے۔ یہ اس کا کرم ہے اور ہمارے پاس فرصت نہیں کہ اللہ کو سجدہ ہی کر لیں۔ (کہتے ہیں، او جی! نماز نوں جی چاہندا اے بس وہیل ای نئیں لگدا۔ میرا پتر قبر وچ گئے تے وہیل ہی وہیل، ویلے ای ویلے۔ فیر پتا لگے گا ہُن وہیل کی کرنا!) اب بھی اگر کوئی توبہ نہ کرے۔ اب بھی کسی کو یادِ الٰہی کی فرصت نہ ہو تو اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوگی؟

اللہ کے کرم کی پھر بھی کوئی حد نہیں۔ فرمایا: رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ۸ اے ہمارے پروردگار ان کو ہمیشہ رہنے بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، داخل فرمایئے اور جو اِن کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادمیں سے نیک ہوں ان کو بھی۔ بے شک آپ غالب حکمت والے ہیں۔

حاملینِ عرش دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! انہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما دیجیے۔ آپ نے ان سے ان بہشتوں کا وعدہ کیا ہے اور آپ کا وعدہ ہمیشہ پکا سچا ہوتا ہے۔ ان میں سے جن لوگوں نے اپنی اصلاح کر لی۔ ان کے باپ دادا، ان کی بیویاں، ان کی اولاد۔ ان سب کو جنہوں نے توبہ کر لی، آئندہ کے لیے اصلاح کر لی اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیا۔ اب یہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش کف پا پر چل رہا ہے، اسے عذاب سے بچا لے۔ یہ مقربینِ بارگاہ فرشتے ان کے والدین، باپ دادا، پشتوں کے لیے بھی دعا کرتے ہیں کہ ان کے اہل وعیال، اہل خاندان، آباء واجداد میں سے جو بھی اصلاح یافتہ ہیں انہیں اپنی بہشتوں میں داخل فرما لے بے شک آپ غالب ہیں، حکیم ہیں۔

یہ سارا انتظام رب العالمین نے خود فرما دیا تاکہ بندوں کی نجات ہو جائے اور ہمیں وہ بلند مقام دے دیا کہ فرشتے ہمارے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ مسلمان، جسے اللہ نے اتنی عظمت عطا کی اس کا طرزِ عمل یہ ہو کہ اس کریم رب کی بارگاہ میں متوجہ ہونے کی اسے فرصت ہی نہیں تو اس سے بڑا بدنصیب اور کوئی نہیں۔

فوزِ عظیم:

فرمایا: وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ۹ اور ان کو (ہر قسم کی) تکالیف سے بچا لیں اور جس کو آپ نے اس دن تکالیف سے بچا لیا یقیناً اس پر آپ نے مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

فرشتے عرض گزار ہیں، اے اللہ! ان بندوں کو آخرت کی ہر تکلیف سے بچالے۔ انہیں میدانِ حشر کی گرمی سے بچالے، حشر کے میدان کے انتظار کی سختی سے محفوظ فرما۔ انہیں کسی طرح کا دکھ نہ پہنچے۔ یا اللہ! انہیں ایسا محفوظ فرما کہ انہیں پتا ہی نہ چلے کہ قیامت کب آئی اور حشر کب گزر گیا۔ قیامت کے دن جو تکلیف سے بچ گیا یقیناً اس نے آپ کی رحمت کو پالیا۔ اس پر آپ نے بہت رحمت کی، بہت مہربانی فرمائی۔ اور یہی حقیقی کامیابی ہے!

ساری زندگی ہر بندہ کامیابی کے پیچھے بھاگتا ہے۔ کسی کے نزدیک کامیابی سے مراد اس کی تجارت میں یا کاروبار میں کامیابی ہے یا اعلیٰ عہدوں کا حصول کامیابی ہے یہ سیاست واقتدار پانا کامیابی ہے غرض جو جس شعبے میں ہے اس کا عروج حاصل کرنا ہی اس کے لیے کامیابی کی دلیل ہے۔ یہاں ارشاد ہورہا ہے کہ کامیابی یہ ہے کہ بندہ دکھوں سے بچ کر اللہ کی رحمت کے سائے میں چلا جائے۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ اصل کامیابی یہ ہے کہ شیطان کے چُنگل سے، نفس کی خرابیوں سے، ہر طرح کی مصیبتوں سے بچ کر، دوزخ سے بچ کر بندہ اللہ کی جنت میں چلا جائے۔ جو دوزخ سے بچ کر اللہ کی جنت میں چلا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ اپنی منزل کو پا گیا۔ یہی حقیقی کامیابی ہے۔

سورۃ المومن رکوع 2 آیات 10 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ
تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝١٠ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا
اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝١١ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗ
اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ
الْكَبِيْرِ ۝١٢ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا
يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝١٣ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ
الْكٰفِرُوْنَ ۝١٤ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ
يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝١٥ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَي
اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝١٦ اَلْيَوْمَ
تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۝١٧ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ
مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝١٨ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا
تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝١٩ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا
يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝٢٠

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا (اُس روز) ان لوگوں کو پکارا جائے گا کہ جس طرح (آج) تم کو اپنے سے نفرت ہے اللہ کو اس سے بڑھ کر (تم سے) نفرت

تھی جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تو تم انکار کرتے تھے ﴿۱۰﴾
کہیں گے اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار ہمیں
زندگی بخشی پس ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی
کوئی صورت ہے؟ ﴿۱۱﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم
انکار کردیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے
تھے سو (اس پر) فیصلہ اللہ کا ہے جو عالی شان (اور) بڑے رتبے والے
ہیں ﴿۱۲﴾ وہی ہیں جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں اور تم پر آسمان سے رزق
اتارتے ہیں اور نصیحت وہی حاصل کرتا ہے جو (اُس کی طرف) رجوع
کرتا ہے ﴿۱۳﴾ سو تم لوگ اللہ کو خالص اعتقاد کر کے پکارو گو کافروں کو ناگوار
ہی ہو ﴿۱۴﴾ وہ (اللہ) درجاتِ عالی (اور) عرش کے مالک ہیں اپنے بندوں
میں سے جس کو چاہتے ہیں اپنے حکم سے وحی بھیجتے ہیں تاکہ ملاقات کے دن سے
ڈرائے ﴿۱۵﴾ جس روز سب (اللہ کے) سامنے آموجود ہوں گے (کہ) ان
کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہ رہے گی آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی، جو
اکیلے (اور) غالب ہیں ﴿۱۶﴾ آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا
آج (کسی پر) زیادتی نہ ہوگی یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں ﴿۱۷﴾
اور ان کو قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرائیے کہ جب دل غموں سے
بھر کر گلوں تک آرہے ہوں گے ظالموں (کافر و مشرک) کا کوئی دوست ہوگا
اور نہ سفارشی، جس کی بات قبول کر لی جائے ﴿۱۸﴾ وہ آنکھوں کی خیانت
(تک) کو جانتے ہیں اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو
بھی) ﴿۱۹﴾ اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتے ہیں اور اس کے سوا جن کو یہ لوگ
پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کرسکتے (کیونکہ) بے شک اللہ ہی (سب
کچھ) سننے والے (سب کچھ) دیکھنے والے ہیں ﴿۲۰﴾

تفسیر و معارف

کافر کا اقرار:

دنیا میں تو کفار کو مادّی خواہشات ہی عزیز رہی تھیں۔ وہ اپنے مادّی وجودوں کو ہی پالتے رہے، اسی پر خوش رہے۔ آخرت میں جب جہنم دیکھیں گے تو انہیں خود اپنے آپ سے نفرت ہو جائے گی کہ ہم نے اسی وجود کی لذات میں زندگی برباد کر دی اور اللہ کی اطاعت نہ کی تب کفار کو پکار کر کہا جائے گا: اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَی الۡاِیۡمَانِ فَتَکۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا (اس روز) ان لوگوں کو پکارا جائے گا کہ جس طرح (آج) تم کو اپنے آپ سے نفرت ہے اللہ کو اس سے بڑھ کر (تم سے) نفرت تھی جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تو تم انکار کرتے تھے۔ تم تو ساری زندگی اللہ کے دین کے خلاف تدبیریں کرتے رہے۔ اب سمجھ آئی کہ تمہاری تدبیریں کامیاب تھیں یا اللہ نے جو تدبیر کی وہ کامیاب رہی؟ دین کا تو کچھ نہ بگڑا، تمہارا بہت نقصان ہو گیا۔ جتنی کوششیں تم نے دین کے خلاف کیں اس کا سارا وبال آج تمہارے سر ہے۔ آج تمہارے تمام جرائم کا بوجھ خود تم پر ہے۔ دیکھ لو اللہ کی تجویز کامیاب ہے یا تمہاری؟ اللہ کا نظام تمہاری تجویزوں پر غالب آیا! جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے۔ اعتراض کرتے اور انکار کر دیتے تھے۔ آج بتاؤ؟ قَالُوۡا کہیں گے: رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَیۡنِ وَ اَحۡیَیۡتَنَا اثۡنَتَیۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَہَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۱۱﴾ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دو بار مردہ رکھا اور دو بار ہمیں زندگی بخشی پس ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے؟

کافر پکار اٹھیں گے! ہم آپ کی عظمت کے قائل ہیں، آپ کی قدرت کے قائل ہیں۔ ہم جانتے ہیں آپ نے ہمیں بے جان سے جاندار کیا۔ جاندار سے مردہ کیا حیاتِ دنیوی کے بعد ہم نے موت کا مزہ بھی چکھا یعنی عدم سے آپ نے مادّہ بنایا پھر مادّے سے غذائیں بنائیں پھر نطفہ سے انسان بنا دیا۔ زندگی دی۔ زندگی بسر کی تو موت آ گئی۔ برزخ میں رہے۔ آج آپ نے ہمیں پھر سے زندہ کر دیا۔ ہم دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ آج ہم قبول کرتے ہیں کہ ہم نے جو کیا، گناہ کیا، غلط کیا، نافرمانی کی۔ ہم اپنے جرائم کا اقرار کرتے ہیں فَہَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِیۡلٍ کیا یہاں سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ ارشاد ہوگا، اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ راستہ وہی تھا جو میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں دنیا میں بتا دیا تھا۔ تم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیتے تو میں

تمہارے سارے گناہ معاف کر دیتا۔ دوزخ سے نجات دے کر جنت عطا کر دیتا۔ دنیا میں تم نے اللہ العظیم کے پیغام کو ٹھکرا دیا۔ آج پوچھتے ہو بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ تو دار العمل ختم ہو گیا۔ اب دار الجزا ہے جو کیا تھا وہ بھگتنا ہوگا۔ یہ عمل کی جگہ ہے ہی نہیں، یہاں تو نتائج بھگتنا ہوں گے۔

اور تمہارا یہ انجام اس لیے ہوا کہ: ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا۔۔۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔

آج تم بچ نکلنے کی صورت تلاش کر رہے ہو۔ دنیا میں جب تمہارے پاس عمل کا موقع تھا اور تمہیں اللہ کے فرستادہ یعنی انبیائے کرامؑ عذابوں سے بچنے کی راہ بتایا کرتے تھے تب تم پروا نہیں کرتے تھے۔ تمہارا حال یہ تھا کہ تم شرک پر خوش ہوتے تھے اور اللہ کی توحید کی بات سن کر جل جاتے تھے۔ آج اللہ کا فیصلہ نافذ ہو گیا۔ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫ سو (اس پر) فیصلہ اللہ کا ہے جو عالی شان (اور) بڑے رتبے والے ہیں۔ یہ عظیم شان رکھنے والے ربّ کا فیصلہ ہے جس کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

حصولِ ہدایت کے لیے انابت شرط ہے:

فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ وہی ہیں جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں اور تم پر آسمان سے رزق اتارتے ہیں اور نصیحت وہی حاصل کرتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

اللہ ایسے کریم ہیں کہ انسان کو اپنی عظمت کے دلائل کی طرف ہمہ وقت متوجہ فرماتے ہیں تاکہ لوگ عقل سے کام لیں اور درست راستے کا انتخاب کریں۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی رزق کی تقسیم ہے۔ آسمانوں میں اللہ کریم نے ایک سیکرٹیریٹ بنا رکھا ہے۔ ہر ایک کے کھانے پینے، مرنے جینے کے سارے احکام وہاں سے نازل ہوتے ہیں۔ ہر فرد کی روزی رزق، عمر، صحت، زندگی موت سب کے لیے احکام من جانب اللہ صادر ہوتے ہیں۔ اور افسوس اُن پر جو اسی مقدر روزی کو ڈاکہ مار کے حاصل کرتے ہیں۔ اگر وہ ڈاکہ نہ مارتے تب بھی انہیں یہ رزق ملنا ہی تھا کیونکہ یہ رزق دینے والے کا فیصلہ تھا۔ لوٹ مار کرنے والے کو تو یہ بھی نہیں پتا کہ کروڑوں، اربوں جو اس نے ناجائز ذرائع سے جمع کر لیے وہ اس کے ہیں یا اس نے کسی اور کے لیے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ جمع اس نے کیے، کھائے گا کوئی اور! مزید یہ کہ اس دولت کے حصول کا جواب پھر اُسے ہی دینا ہوگا۔

انبیا کا مبعوث ہونا بھی عظمتِ الٰہی، رحمتِ الٰہی کی روشن دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ کے کرم کا وسیع سمندر ہے۔ اللہ کی کتاب سراپا رحمت ہے لیکن ان دلائل کی سمجھ انہیں آتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے انابت شرط ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت سمجھنے کے لیے انابت شرط ہے اور مسلمان ہونے کے لیے بھی انابت شرط ہے۔ **انابت کہتے ہیں دل سے رجوع کرنا اللہ کی طرف۔** سوائے انابت رکھنے والے کے کوئی نصیحت نہیں پکڑتا۔ جب بندہ یہ فیصلہ کر لے کہ مجھے اللہ کی اطاعت کرنی ہے تو اسے قرآن بھی سمجھ میں آجاتا ہے، حدیث کی بھی سمجھ آجاتی ہے۔ دین کی سمجھ بھی آجاتی ہے۔ اور جو دل سے فیصلہ نہیں کرتا اُس کے پاس نری باتیں رہ جاتی ہیں۔

جب مسلمان دین پر عمل پیرا ہوں گے تو کافر ناراض ہوں گے:

فرمایا: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝١٤ سو تم لوگ اللہ کو خالص اعتقاد کر کے پکارو گو کافروں کو ناگوار ہی ہو۔ مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ خالص اللہ کی اطاعت کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہو خواہ کافروں کو کتنا ہی بُرا لگے۔ اس کا مطلب ہے کہ جب مسلمان اللہ کے قانون پر عمل پیرا ہوں گے، اللہ کے قانون کے مطابق انصاف کریں گے، فیصلے کریں گے، جب ان کی معاشرت اور معیشت دین کے مطابق ہوگی تو کافر طاقتیں مسلمانوں سے ناراض ہوں گی۔

آج وطنِ عزیز میں یہی مسئلہ درپیش ہے۔ ہمارے اربابِ اختیار اسلامی نظام کیوں نہیں نافذ کرتے؟ اس لیے کہ مغرب ناراض ہوجائے گا۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ مروجہ قانون پر بھی عمل درآمد اس وقت روک دیا جاتا ہے جب یہ معلوم ہوجائے کہ اس پر عمل کرنے سے عالمِ کفر ناراض ہوگا۔ حال ہی میں عدالت نے ایک عورت کو توہین رسالت کے جرم میں سزائے موت دی۔ صوبے کے گورنر نے اُس کی حمایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والی عورت کو اس سزا سے بچانے کے لیے کوشاں رہا جو ملکی عدالت، ملکی قانون کے تحت اس عورت کو دے چکی تھی۔ ایک غیرت مند مسلمان سے یہ نہ دیکھا گیا اُس نے گورنر کو گولی ماردی۔ عدالت نے اس لڑکے کو سزائے موت دے دی۔ اب چونکہ مغرب اس لڑکے کے خلاف تھا لہٰذا حکومتِ وقت نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ اور وہ عورت جس نے توہینِ رسالت کی تھی اور جسے عدالت سالوں پہلے ہی سزائے موت دے چکی تھی وہ آج بھی زندہ ہے۔ اُسے کیوں پھانسی نہیں دی؟ اس لیے کہ کافر ناراض ہوجائیں گے۔ اور اس غیرت مند کو جلدی پھانسی دی تاکہ مغرب خوش رہے، کافر ناراض نہ ہو!

یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کی اطاعت خالص دین کو اپنا کر کرو، ہر کام پورے خلوص سے کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو گے جبکہ کافر تم سے ناراض ہوں گے۔ دونوں میں سے ایک طرف ہونا پڑے گا۔ اس واحد ولاشریک کو ناراض نہ کرو باقی جو ناراض ہوتا ہے ہونے دو۔ کوئی کیا کرے گا؟

فرمایا: رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ۔۔۔ وہ (اللہ) درجاتِ عالی (اور) عرش کے مالک ہیں۔ مقامات، درجات، بلندی اور عظمت دینے والے اللہ کریم ہیں۔ وہی عرشِ عظیم کے مالک ہیں جہاں سے فیصلے صادر ہوتے ہیں۔ سلطنت اللہ کی ہے کسی اور کی نہیں تو اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا کیسا؟

اِن لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ نبوت پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ معاشرے میں اتنے تعلیم یافتہ، مالدار، رئیس اور دانش ور موجود ہیں حکمران موجود ہیں، ان کو ماننے والے موجود ہیں تو ان لوگوں میں سے کسی کو نبی کیوں نہیں بنایا؟ اور اِن (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی بنایا ہے! اللہ کریم فرماتے ہیں تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔ یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اپنے حکم سے وحی بھیجتے ہیں تا کہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

وہ اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ وہ جسے چاہے نبوت عطا فرمائے۔ اسے تمہارے مشورے نہیں چاہئیں۔ تم تو خود ہر کام میں اللہ کے محتاج ہو۔ تمہارے پاس دولت ہے تو وہ تمہاری نہیں، اقتدار ہے تو تمہارا ذاتی نہیں۔ یہ مال ومنال تو تمہاری آزمائش ہے۔ جب تم مردہ ہو جاؤ گے یہ سب کچھ دوسروں کو مل جائے گا۔

نبوت ایک منصب ہے۔ منصبِ نبوت یہ ہے کہ نبیؑ لوگوں کو آخرت کا یقین دلائیں۔ اس حقیقت سے آشنا کریں کہ ہر فرد کو ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ نبیؑ کا فریضہ ہے کہ آخرت کی تیاری کروائے۔ راہنمائی کریں کہ معیشت کیسی ہونی چاہیے، حکومت وسیاست کیسی ہو، کاروبار کا انداز کیا ہو، معاشرت وتہذیب کا معیار بتائے، غرض یہ راستہ متعین کرے کہ جینا کیسے ہے، مرنا کیسے ہے۔ نبیؑ کی بعثت یہ ساری نعمتیں عطا کرتی ہے تا کہ بندہ جب اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو وہاں عذابِ الٰہی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بندہ سرخرو ہو۔

جب اللہ سے ملاقات کا دن آئے گا۔ یَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ ۚ لَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنۡهُمۡ شَیۡءٌ۔۔۔ جس روز سب (اللہ کے) سامنے آموجود ہوں گے (کہ) ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہ رہے گی۔

یعنی کوئی چاہے یا نہ چاہے سب کو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔ بندوں کا کوئی قول، فعل، حرکت وسکون، سوچ وافکار کچھ بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ سارا کردار یہاں عیاں ہے تو وہاں بھی عیاں ہی ہوگا۔

آج تو سائنس ثابت کر رہی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک بنی نوعِ انسان نے جتنی باتیں کی ہیں وہ فضا میں موجود ہیں اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ کوئی ایسی ٹیکنالوجی ایجاد کی جائے جس سے ان باتوں کو سنا جاسکے۔ اس قادر مطلق کے اپنے کام ہیں اس نے گویا فضا کو ایک ریکارڈنگ روم بنا دیا ہے۔ لفظ، لفظ محفوظ ہو رہا ہے۔ ہم بولتے ہوئے پروا نہیں کرتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں بدکلامی کر رہے ہیں، بھلا بُرا کہہ رہے ہیں اور ڈرتے نہیں کہ یہ سب کچھ محفوظ کیا جا رہا ہے۔ اس دن پوچھا جائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۔۔۔ آج کس کی بادشاہت ہے؟ دنیا میں تو تم بڑے حکمران، بادشاہ، خان، چوہدری بنتے تھے۔ آج بتاؤ حکومت کس کی ہے، بادشاہ کون ہے، آج کون حکمران ہے، کون بڑا ہے، کس کی بات چلے گی؟ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اللہ کی جو اکیلے (اور) غالب ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

حکومت صرف اللہ، قادر مطلق کی ہے۔ حکومت اسی کی ہے جو کبھی ختم نہ ہو گی باقی سب وقت کے بنائے ہوئے بُت ہیں ایک کے بعد ایک گرتا چلا جاتا ہے۔ اور وہ قادرِ مطلق عادل اور منصف ہے۔ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۔۔۔ آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج ہر بندے کو اس کی کمائی دی جائے گی۔ اس نے جو کمایا وہی اسے ملے گا۔ نیکی کمائی تو نیک بدلہ پائے گا۔ برائیاں کمائیں تو عذاب بھگتنا ہو گا۔ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۔۔۔ آج (کسی پر) زیادتی نہ ہو گی۔ فرمایا، ایسا نہیں ہو گا کہ کسی نے نیکی کی ہو اور اس کی نیکی ضائع ہو جائے، یا اسے نیکی کے بدلے سزا ملے۔ ایسا نہیں ہو گا۔ کسی پر زیادتی نہیں ہو گی۔ جس نے جو کیا اسی کا بدلہ پائے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو شخص دنیا میں نیکی اور بھلائی کر رہا ہے وہ کسی پر احسان نہیں کر رہا۔ اللہ پر نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، نہ علما، پیروں یا فقیروں پر۔ نیکی تو وہ اپنے لیے کر رہا ہے۔ اپنے ساتھ بھلا کر رہا ہے اور جو برائی کر رہے ہیں وہ اپنے اوپر بوجھ لاد رہے ہیں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔ روز قیامت اللہ فرمائیں گے، آج کے دن کسی پر زیادتی نہیں ہو گی جس نے جو کیا وہی اسے ملے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کو کوئی کام کرتے دیر نہیں لگتی۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہیں وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ اس دن ٹھیک انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔ چونکہ اللہ کو حساب لینے میں دیر نہ لگے گی تو اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) انہیں اس دن سے ڈرایئے جو لمحہ قریب آ رہا ہے۔

فرمایا: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۔۔۔ اور ان کو قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرایئے کہ جب دل غموں سے بھر کر گلوں تک آ رہے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے: مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ (مشکوۃ) او کمال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو مرتا ہے اس کی ایک طرح سے قیامت قائم ہوجاتی ہے۔ یعنی ایک چھوٹی سی قیامت اس کے لیے آجاتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں کو اس وقت کے آنے سے پہلے متنبہ کر دیں کہ لوگو! ہر سانس میں وقت گزر رہا ہے۔ جوں جوں تم زندگی کے دن رات بسر کر رہے ہو توں توں وہ وقتِ حساب قریب آرہا ہے۔ وہ دن بڑا سخت ہوگا۔ جب وہ سامنے آئے گا تو دل دکھ سے بھر کر حلق میں آجائے گا۔ یہ محاورہ ہے کہ دل اس طرح بوجھل ہو جائے گا۔ اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لذتیں مٹا دینے والی چیز موت ہے۔ موت کو یاد رکھا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ، يَعْنِي الْمَوْتَ (سنن ابن ماجہ) موت ھادم لذات ہے۔ یہ لذتیں مٹا دیتی ہے۔ جب غلط اور ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے کا خیال آئے یا کوئی عہدہ یا کوئی بھی شے تو موت کا خیال آتے ہی وہ مزہ کافور ہو جاتا ہے۔ ایسی دولت، عہدہ لینے کو ہی دل چاہتا ہے نہ ایسی کوئی اور شے حاصل کرنے کی تمنا رہتی ہے۔ بندہ جائز ذرائع پر ہی اکتفا کر لینے میں راضی رہتا ہے۔

فرمایا: مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ ظالموں (کافر و مشرک) کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارشی، جس کی بات قبول کر لی جائے۔ اصل بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ کفار و مشرکین نے دنیا میں اللہ کی حاکمیت کو قبول نہیں کیا تو آج ان کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ کوئی متنفس ان کی حمایت نہیں کرے گا۔ ان کا کوئی سفارشی بھی نہیں ہوگا کہ جس کی بات مان لی جائے۔

اللہ باریک بین ہے:

فرمایا: يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وہ آنکھوں کی خیانت (تک) کو جانتے ہیں اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔

اللہ کریم انتہائی باریک بینی سے ہر ایک کے افکار و خیالات، دل میں چھپائے بھیدوں سے ہر لحہ باخبر ہے۔ وہ ایسا علیم و خبیر ہے کہ دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی آگاہ ہے تو باقی اعمال اُس سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔ بندہ جب دیکھتا ہے پھر سوچتا ہے کہ فلاں چیز اچھی ہے، چرالوں گا تو وہ بندے کے اس ہیر پھیر سے واقف ہوتا ہے۔ جب وہ دل کی گہرائیوں میں چھپے بھیدوں سے واقف ہے، آنکھ کی خیانت سے، نظر کے بھٹکنے سے واقف ہے، دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے آگاہ ہے تو پھر جو اعمال، بندے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا سے کرتے ہیں وہ اعمال

علیم وخبیر اور باریک بین ربّ سے کیسے چھپے رہ سکتے ہیں!

فرمایا: وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۔۔۔ اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتے ہیں۔ بندہ جو کام کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے۔ نیکی کرے یا برائی اس کا اثر خود اس کی ذات پر پڑتا ہے۔ اللہ کریم کے فیصلے حق پر مبنی ہوتے ہیں، وہ صرف سچائی، حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں۔ یہ منکرین تو وہ لوگ ہیں: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⓴ اور اس کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (کیونکہ) بے شک اللہ ہی (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) دیکھنے والے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے سوا جن دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی کیا اوقات کہ وہ کوئی فیصلہ صادر کریں۔

بُت، نہ کوئی غیر اللہ، کوئی بھی نہیں۔ یہ فیصلے اللہ کے ہیں اور انصاف کے ساتھ ہوں گے۔ کیونکہ صرف اللہ ہی ہر چیز کو ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ اللہ ہر بات کو سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں۔ وہ کسی کے بتانے کے محتاج نہیں کہ فرشتہ لکھے گا پھر بتائے گا تو وہ جانیں گے۔ ایسا نہیں ہے۔ اللہ کریم ہر ایک کے حرکت وسکون کو ذاتی طور پر دیکھتے ہیں۔

کتنا خوش نصیب ہے وہ بندہ جسے ایمان نصیب ہو، جو رات دن اس احساس کے ساتھ جی رہا ہو کہ میرا ربّ میرے ساتھ ہے۔ خوش نصیب ہے وہ جسے رات دن معیتِ باری کا احساس ہو۔ اور جو آوارہ ہو گیا، جس کا کوئی مالک ہی نہیں، وہ دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ وہ کٹی پتنگ ہے جو آوارہ ہو گئی، کس جگہ جا گرے گی کچھ پتا نہیں!

اللہ کریم گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں، ہماری توبہ قبول فرمائیں۔ نیکی کی توفیق دیں اور حسنِ عبادت نصیب فرمائیں۔

سورۃ المومن رکوع 3 آیات 21 تا 27

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ
بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ
وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا
اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا کَیْدُ
الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ
اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ
مُوْسٰۤی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (کافر) ان سے پہلے گزرے ان کا کیا انجام ہوا وہ زور اور زمین میں نشانیاں بنانے کے لحاظ سے ان سے کہیں زیادہ تھے تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ تھا ﴿۲۱﴾ یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر آتے رہے تو یہ کفر کرتے تھے سو اللہ نے ان کو پکڑ لیا بے شک وہ بڑی قوت والے، سخت عذاب دینے والے ہیں ﴿۲۲﴾ اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر بھیجا ﴿۲۳﴾ فرعون

اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا یہ تو جھوٹا جادوگر ہے ﴿۲۴﴾ غرض جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو (مذکورہ لوگ) کہنے لگے جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی ﴿۲۵﴾ اور فرعون کہنے لگا مجھے چھوڑ دو کہ مَیں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دوں اور اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کو (مدد کے لیے) پکارے مجھے ڈر ہے کہ وہ (کہیں) تمہارے دین کو نہ بدل دے یا ملک میں فساد پیدا (نہ) کر دے ﴿۲۶﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا بے شک میں ہر تکبر کرنے والے سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں ﴿۲۷﴾

تفسیر و معارف

گزشتہ اقوام کے انجامِ بد سے عبرت:

گزشتہ اقوام کے انجامِ بد سے عبرت حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ توجہ دلائی جا رہی ہے کہ کیا یہ لوگ زمین پر سفر نہیں کرتے۔ اپنے تجارتی اسفار میں ان کا دوسرے علاقوں، ملکوں میں آنا جانا رہتا ہے۔ زمین پر جا بجا تاریخی آثار موجود ہیں۔ جو قومیں ان سے پہلے زمین پر آباد رہیں، ان کے آثار، ان کے قلعوں اور محلات کے کھنڈرات، ان کی آبادیوں کے اجڑے ہوئے ویران مناظر کیا انہیں یہ بتانے کے لیے کافی نہیں کہ جو لوگ پہلے گزرے، اُن کا کیا حشر ہوا؟ زمین پر پھیلے ہوئے ان کے محلات اور قلعوں کے آثار، ان کی شہر پناہیں اور اُن کے کھنڈرات یہ بتاتے ہیں کہ مادّی وسائل کے اعتبار سے، طاقت کے اعتبار سے، دنیوی قوت و طاقت کے اعتبار سے وہ لوگ بعد والوں سے بہت بڑھ کر تھے۔ دولت و امارت، علوم و فنون، صنعت و حرفت میں وہ لوگ بہت آگے تھے لیکن اللہ کی نافرمانی کیسی بڑی مصیبت ہے کہ جب اس پر گرفت آتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت کام نہیں آتی۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۔۔۔ ان کے جرائم، ان کے گناہوں پر اللہ نے انہیں پکڑا۔ یہ اللہ کی گرفت میں آ گئے۔ وَمَا كَانَ لَهُمْ

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ پھر دنیا کے سارے وسائل انہیں اللہ کی گرفت سے نہ بچا سکے۔ ان کے لشکر، ان کی قوت، ان کا مال، ان کے تعلقات غرض دنیا کا کوئی سبب انہیں اللہ کی پکڑ سے بچا نہ سکا۔ اگر وہ دولت مند تھے تو دولت اللہ کی عطا تھی۔ اگر وہ طاقتور تھے تو طاقت اللہ نے دی تھی۔ اگر انہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے، محلات اور قلعے بنائے اس کے وسائل اللہ کریم نے انہیں دیے تھے۔ اور جب انہوں نے جرائم کی حد کردی تو اسی مالک نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟

فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے رسولؑ واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے انکار کر دیا، نہ مانا۔ دراصل انبیاؑ کی اطاعت سے انکار عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ اللہ نے ان پر بڑا احسان کیا تھا۔ ہر نعمت عطا کی تھی لیکن انہوں نے اللہ کے نبیوںؑ کا انکار کیا تو اللہ کی پکڑ میں آ گئے۔ پھر دیکھ لو! ان کا کیا انجام ہوا! اللہ کے عذاب کی زد میں آ گئے۔ بے شک وہ بہت طاقتور ہے اس کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں اور اس کے عذاب بڑے سخت ہیں۔

آخرت دائمی ہے:

بظاہر لوگوں کو یہ دکھائی دیتا ہے کہ کافر، بدکار، بے دین بڑے مزے میں ہیں۔ ان کے پاس بڑی حکومتیں ہیں، اقتدار ہے، دولت ہے، وسائل ہیں، عیش کر رہے ہیں لیکن انبیاؑ کی تعلیمات اور اللہ کریم کے ارشادات بتاتے ہیں کہ جو ناجائز ذرائع سے عیش کر رہا ہے وہ اپنے لیے دوزخ کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ آج نہیں تو کل اسے اس آگ میں جانا ہے۔ اللہ نے آخرت بنائی ہے تو اسے ہمیشہ قائم بھی رکھنا ہے۔ جنت بھی ہمیشہ قائم رہے گی اور دوزخ بھی ہمیشہ قائم رہے گی۔ میدانِ حشر کی زندگی کے بعد اس وجود کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ یہ ہمیشہ رہے گا کہ آخرت کو دوام ہے۔ آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ دنیا وقتی اور لمحاتی ہے۔ جو چیز دائمی ہے وہ طاقتور ہے اور جو چیز عارضی ہے وہ کمزور ہوتی ہے۔ طاقتور چیز کا عکس یا پرتو، کمزور کو متاثر کرتا ہے۔ جو اپنے کیے کے باعث اپنے لیے آخرت میں عذاب بنا رہا ہے۔ اس کا عکس اس کی دنیوی زندگی پر پڑتا ہے تو وہ ہر وقت بے چین، بے قرار اور بے سکون رہتا ہے۔ زندگی بھر تڑپتا رہتا ہے۔ اُسے عجیب عجیب امراض گھیر لیتے ہیں۔ دنیوی اعتبار سے اس کی توہین ہوتی رہتی ہے۔ خاندان میں نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور وہ انہی میں الجھا رہتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کے پاس دولت ہو، اقتدار ہو لیکن اندر ہی اندر جہنم اس کو کھائے جاتی ہے اس کے مقابلے میں جو انبیاؑ کا اتباع کرتے ہیں، جو آخرت کی زندگی جیتے ہیں،

جن کا تعلق جنت سے ہوتا ہے اس کا پرتو یا عکس ان کی زندگی پر پڑتا ہے۔ اُن کے پاس دولت نہ بھی ہو تو سکون کی دولت میسر رہتی ہے۔ زندگی کے حالات جیسے بھی ہوں انہیں اللہ کی طرف سے اطمینانِ قلب نصیب رہتا ہے۔ انہیں وہ کافروں جیسی گھبراہٹ اور بے چینی نہیں ہوتی۔

انسان کا وجود چونکہ ماڈی ہے۔ نفس بھی عناصر اربعہ کے ملنے سے بنتا ہے، دنیا میں براہ راست اور بالذات مکلف بدن ہے تو انسان عموماً انہی ماڈی چیزوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ زندگی کا سبب مادّہ نہیں روح ہے۔ جب روح اس ماڈی بدن کو چھوڑ دیتی ہے۔ تو کوئی لذت باقی رہتی ہے نہ ذائقہ۔ حسن باقی رہتا ہے نہ طاقت۔ بدن تو روح کے لیے محض ایک آلہ ہے۔ منزل تک پہنچنے کے لیے ایک سواری ہے لیکن انسان ماڈی کشش کے باعث انہی لذات پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تو اتنے کریم ہیں کہ اللہ نے اپنے انبیاو رسل علیھم السلام مبعوث فرمائے۔ پوری انسانیت کے چُنے ہوئے برگزیدہ لوگ جو علم و عمل کے ہر شعبے میں سب سے اعلیٰ، بہترین اور کریم لوگ تھے۔ نوعِ انسانی کے ہمدرد، ایک ایک فرد کے لئے پوری محنت کرنے والے لوگ علیھم السلام۔ جنہوں نے اللہ کا خالص دین، من و عن مخلوق تک پہنچایا۔ اللہ نے انبیاؑ کی وساطت سے مخلوق تک دینِ حق پہنچایا تاکہ لوگ اللہ کے بنائے ہوئے نظامِ زندگی کو اپنائیں۔ اسے اپنا کر فلاح پائیں۔ اللہ کریم نے زندگی کے کسی کام سے روکا نہیں۔ کسی نعمت کا استعمال ممنوع قرار نہیں دیا۔ انسانی زندگی دی، اس کی ضروریات بنائیں تو ان کی تکمیل کے ذرائع بھی بتا دیے کہ جائز طریقے سے رزق کماؤ اور اللہ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرو۔ اپنی پاک کمائی سے گھر بناؤ۔ دوسروں سے چھین کر نہیں۔ کاروبار کرو لیکن سود کو ذریعۂ آمدن نہ بناؤ۔ اللہ کے انبیاؑ نے اللہ کا جو پیغام پہنچایا وہ عین فطرتِ انسانی کے مطابق تھا۔ معاشرت، معیشت سب میں پاکیزگی، اعتدال، عدل اور حسن تھا۔ لیکن کفار کو اس غلطی فہمی نے مروا دیا، وہ یہی سمجھتے رہے کہ زندگی، مال، وقت سب اُن کا اپنا ہے حالانکہ کسی کا کچھ بھی اپنا نہیں۔ ہر نعمت اللہ کی عطا کردہ ہے۔

سوچیئے!

تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیا ہیں۔ تمام انبیاؑ میں افضل ترین ہستی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم مسلمان جب یہ آیات پڑھتے ہیں کہ جس نے کسی نبیؑ کی نافرمانی کی تھی وہ اللہ کی گرفت میں آ گیا تھا تو ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم سارا دن امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہیں؟ یہ تو پھر اس کا احسان ہے کہ اس نے توبہ کا دَروا رکھا ہوا ہے۔ اور کوئی شرط بھی نہیں لگائی۔ فرما دیا ہے کہ سب گناہ معاف کر دوں گا۔ بس خلوصِ دل سے توبہ کر لو۔ ہم عمریں گزار جاتے ہیں۔ ہمیں کیوں خیال نہیں آتا کہ جہاں جہاں، غلطیاں

ہوئیں، ٹھوکریں کھائیں، نافرمانی ہوئی، توبہ کرلیں، رجوع الی اللہ کرلیں؟ آئندہ کے لیے توفیقِ عمل طلب کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت میں پناہ لے لیں!

فرمایا، جب انہوں نے انبیاؑ کی تعلیمات کا انکار کردیا تو گرفتارِ عذاب ہوگئے۔ ان کی مثال موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں بھی ہے۔ فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ اللہ جل شانہٗ نے آپؑ کو معجزات عطا فرمائے اور واضح دلائل بھی دیے، دلائل میں سب سے مضبوط دلیلِ نقلی ہوتی ہے یعنی وہ حقائق جو گزشتہ انبیاؑ سے نقل ہو کر آ رہے ہوں۔ دوسرے درجے میں عقلی دلائل ہوتے ہیں۔ اگر انسانی عقل سلامت ہو تو حق قبول کرتی ہے۔ دلائلِ عقلی حق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ معجزہ عجز سے ہے۔ معجزہ ایسا کام ہوتا ہے جو عقلِ انسانی کو عاجز کردیتا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کہ اسے پھینکا تو وہ بڑا اژدھا بن گیا۔ جادوگروں کے اژدھوں کو نگل گیا۔ جب آپؑ نے اسے پکڑا تو وہی چار ہاتھ کی لاٹھی تھی۔ انبیاؑ کو معجزات، نبوت کی دلیل کے طور پر عطا ہوئے۔ کفر کے مقابلے میں اللہ کے دین کو سچ ثابت کرنے کے لیے معجزات کا ظہور ہوا۔

فرمایا: اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا یہ تو جھوٹا جادوگر ہے۔

اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو عقلی و نقلی دلائل اور معجزات دے کر فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا۔ یہ تینوں افراد اللہ کی بے پناہ نعمتیں پانے کے باوجود اللہ کے نبیؑ کے منکر تھے اور اپنی بڑائی اور تکبر میں مبتلا تھے۔ یہ انبیاؑ کا ہی حوصلہ ہے کہ انہوںؑ نے فرعون جو بہت طاقتور حکمران تھا، سیاہ وسفید کا مالک تھا، اپنی خدائی کا دعویدار تھا کو جا کر کہا کہ تُو انسان ہے، بندہ ہے، محتاج ہے تو اللہ کی حاکمیت کا اقرار کرلے۔ قارون آپؑ کی قوم میں سے تھا، قریبی رشتہ دار بھی تھا۔ بے پناہ دولت کا مالک تھا۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ ایک بہت بڑی اور طاقتور جماعت اس کے خزانوں کی صرف کنجیاں ہی اٹھائے پھرتی تھی جب اس پر دینِ حق پیش کیا گیا اور اسے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے کہا یہ دولت مجھے اپنی قابلیت کی وجہ سے ملی ہے۔ میں اسے کسی کو کیوں دوں؟ ان متکبرین سے جب انبیاؑ کے دلائل کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگے کہ یہ جادوگر ہیں، یہ جھوٹے ہیں (معاذ اللہ)

جبکہ اللہ نے آپؑ کو حق اور صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۲۵ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نجومی نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری حکومت کو

تباہ کر دے گا تو اس نے حکم دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ لیکن اللہ نے اس کی اس چال کو کامیاب نہ ہونا دیا، وہ ایسا قادر ہے کہ جس بچے کو قتل کرنے کے لیے اس نے ہزاروں بچے قتل کروا دیے تھے اس بچے کی پرورش خود اُسی کو کرنا پڑی۔ دراصل اللہ کے مقابلے میں کفر کی کوئی تجویز، کوئی طاقت کام نہیں کرتی۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

جب فرعون لاجواب ہو گیا تو بھڑک اُٹھا اور بودی دلیلیں دینے لگا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہیں گمراہ کر دے گا، زمین میں فساد پیدا کرے گا۔ وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی وَلۡیَدۡعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَكُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡهِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ ﴿۲۶﴾ اور کہنے لگا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ (علیہ السلام) کا سر اڑا دوں (معاذ اللہ) پھر یہ اپنے ربّ کو، اپنے پروردگار کو بلائے کہ وہ اسے بچائے۔ اور اپنے اس فعل کی دلیل یہ دی کہ یہ تمہارا دین خراب کرے گا اور فساد پھیلائے گا جبکہ حق یہ ہے کہ فساد تو کفر اور ظلم سے پھیلتا ہے۔ یہ روّیہ بھی ازل سے چلا آ رہا ہے کہ گمراہ خود کو حق پر سمجھتے ہیں اور برائی کو کمال سمجھتے ہیں۔ لوٹ مار کرتے ہیں، ناانصافی اور ظلم کرتے ہیں اور کہتے ہیں معاشرے کی ترقی کے لیے کر رہے ہیں۔

جب فرعون نے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام بھی وہیں موجود تھے۔ آپؑ نے فرمایا: وَقَالَ مُوۡسٰۤی اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤۡمِنُ بِیَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۲۷﴾ اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں ہر تکبر کرنے والے سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔

فرمایا، وہ میرا ہی پروردگار نہیں، تمہارا بھی ربّ وہی ہے۔ تمہاری طاقت اسی کی عطا کی ہوئی ہے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ میں ہر متکبر اور ہر منکرِ آخرت کے مقابلے میں اللہ کی پناہ میں ہوں۔

سورۃ المومن رکوع 4 آیات 28 تا 37

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ ٭ۖ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ
یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدۡ جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَاِنۡ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیۡہِ
کَذِبُہٗ ۚ وَاِنۡ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبۡکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا
یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ مُسۡرِفٌ کَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ یٰقَوۡمِ لَکُمُ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ ظٰہِرِیۡنَ فِی
الۡاَرۡضِ ۫ فَمَنۡ یَّنۡصُرُنَا مِنۡۢ بَاۡسِ اللّٰہِ اِنۡ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرۡعَوۡنُ مَاۤ اُرِیۡکُمۡ
اِلَّا مَاۤ اَرٰی وَمَاۤ اَہۡدِیۡکُمۡ اِلَّا سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ
اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ مِّثۡلَ یَوۡمِ الۡاَحۡزَابِ ﴿ۙ۳۰﴾ مِثۡلَ دَاۡبِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ
وَّثَمُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ؕ وَمَا اللّٰہُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَیٰقَوۡمِ اِنِّیۡۤ
اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ یَوۡمَ التَّنَادِ ﴿ۙ۳۲﴾ یَوۡمَ تُوَلُّوۡنَ مُدۡبِرِیۡنَ ۚ مَا لَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ
مِنۡ عَاصِمٍ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ یُوۡسُفُ مِنۡ
قَبۡلُ بِالۡبَیِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمۡ بِہٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا ہَلَکَ قُلۡتُمۡ
لَنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ رَسُوۡلًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنۡ ہُوَ مُسۡرِفٌ
مُّرۡتَابُۨ ﴿ۚۖ۳۴﴾ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰىہُمۡ ؕ کَبُرَ
مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ وَعِنۡدَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ
مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰہَامٰنُ ابۡنِ لِیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ
الۡاَسۡبَابَ ﴿ۙ۳۶﴾ اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰہِ مُوۡسٰی وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّہٗ

كَاذِبًا ۚ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۚ وَمَا
كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک ایمان دار شخص نے جو اپنا ایمان پوشیدہ رکھتا تھا کہا، تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (اس دعویٰ پر) دلیلیں لے کر آیا ہے اور اگر (بالفرض) وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو کوئی سا (عذاب) جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا بے شک اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتے جو حد سے گزرنے والا، جھوٹ بولنے والا ہو ﴿۲۸﴾ اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہت ہے اس سرزمین میں تم حاکم ہو، سو اللہ کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر (اس کے قتل سے) وہ ہم پر آ پڑا؟ فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں اور میں تم کو وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے ﴿۲۹﴾ اور اس ایمان والے شخص نے کہا اے میری قوم! بے شک میں تمہاری نسبت ڈرتا ہوں (ہوسکتا ہے) کہ تم پر دیگر امتوں کے دن کی طرح کا (عذاب) آ جائے ﴿۳۰﴾ جیسا قوم نوحؑ اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا اور اللہ بندوں پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنا چاہتے ﴿۳۱﴾ اور اے میری قوم! بے شک مجھے تمہاری نسبت اس دن (قیامت) کا خوف ہے جس میں بہت ندائیں ہوں گی ﴿۳۲﴾ جس دن تم پشت پھیر کر (دوزخ کی طرف) پلٹو گے اس دن تم کو اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جس کو اللہ گمراہ کر دیں تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿۳۳﴾ اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف (علیہ السلام) دلائل لے کر آ چکے ہیں سو تم ان امور میں بھی برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم کہنے لگے بس اب ان کے بعد اللہ کسی پیغمبر کو ہرگز نہ بھیجیں گے اسی

طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتے ہیں جو حد سے نکل جانے والا، شک کرنے والا ہو ﴿۳۴﴾ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں، جو اُن کے پاس آئی ہوں اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک (یہ جھگڑا) سخت ناپسندیدہ ہے اس طرح اللہ ہر تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں ﴿۳۵﴾ اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں راستوں تک جا پہنچوں ﴿۳۶﴾ (یعنی) آسمانوں کے راستوں پر تو موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں اور بے شک میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کو اس کے برے اعمال اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ راستے سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی تدبیر غارت گئی ﴿۳۷﴾

تفسیر و معارف

فرعون کے دربار میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو آلِ فرعون میں سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اگرچہ ابھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ اس مناظرے کے وقت وہاں موجود تھا۔ اسے قرآن میں مومن فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ باتیں سن کر بول اٹھا!

فرمایا: وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ قوم سے کہنے لگا، کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ اگر وہ یہ کہتا ہے تو اس میں کیا جھوٹ ہے، اس میں کیا غلط ہے؟ اللہ تو سب کا ہے، وہی سب کا پالنہار ہے۔ وہی سب کو، سب کچھ دے رہا ہے۔ اللہ کا یہ رسول تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلائل بھی لایا ہے۔ اس کے پاس اللہ کی کتاب ہے، اس کے پاس معجزات ہیں۔

اس مومن نے کہا، دو باتوں میں سے ایک بات تو ہے۔ اگر تمہارے بقول یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے (معاذ اللہ) تو پروردگارِ عالم پر جھوٹ بول رہا ہے۔ پھر وہ اس کے عذاب سے کیسے بچے گا۔ اسے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہ اپنا جھوٹ بھگت لے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے تو پھر تمہارا انجام کیا ہوگا؟ دو حالتوں میں سے ایک تو یہ ہے کہ تم

کہتے ہو یہ جھوٹ بول رہا ہے تو اس جھوٹ کا نقصان تمہیں کوئی نہیں ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو تم کہاں جاؤ گے؟ جو باتیں یہ تمہیں سنا رہا ہے، ان میں سے کوئی نہ کوئی مصیبت تم پر آ پڑے گی۔ یاد رکھو! جو لوگ حد سے گزر جاتے ہیں۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے پر تُل جاتے ہیں، انہیں اللہ ہدایت نہیں دیتے۔ یعنی جو عملاً جھوٹ کو سچ منوانا چاہتے ہیں اور حد سے گزرنا چاہتے ہیں انہیں اللہ ہدایت نہیں دیتے۔

آلِ فرعون اور اہلِ دربار میں سے اس مومن شخص کا ناصحانہ مکالمہ جاری ہے۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ کہنے لگا، اے میری قوم! آج روئے زمین کا ایک حصہ تمہارے تصرف میں ہے۔ تم اس پر غلبہ رکھتے ہو۔ اگر اللہ کا عذاب آ گیا تو تمہیں کون بچائے گا؟ یہ ریاستیں، حکومتیں، سلطنتیں کہاں بچیں گی؟ فرعون نے جواباً کہا کہ میں تو جس بات کو اچھا سمجھتا ہوں وہی تمہیں بتاتا ہوں اور میں تمہیں بھلائی اور اچھائی کی راہ پر چلانا چاہتا ہوں۔

یہ آیت ہٹ دھرمی کرنے والوں کے انداز کی وضاحت کر رہی ہے کہ فرعون اپنی پوجا کو اور کفر کو بھلائی کا راستہ بتا رہا ہے یعنی آج ہی نہیں، ہر زمانے میں کفر کی روش یہی ہے کہ برائی کو بھلائی کی صورت میں پیش کیا جائے اور جو عظمتِ الٰہی کی بات کرے اسے دہشت گرد اور فسادی کہا جائے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ صاحبِ ایمان شخص تھا وہ کہنے لگا، بات یہ ہے کہ مجھے ڈر ہے، جس طرح پہلی امتوں پر عذاب آئے اسی طرح کا عذاب اے میری قوم! تم پر نہ آ جائے۔ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

جیسے نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا یا جس طرح عاد اور ثمود کا حشر ہوا یہ سب تمہارے سامنے ہے اور ان کے بعد بھی کتنے لوگوں نے سرکشی اختیار کی تو وہ کس طرح تباہ و برباد ہو گئے۔ اللہ کی شان تو اس سے بالاتر ہے کہ وہ عاجز بندوں پر زیادتی کریں۔ اللہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے، لوگ خود اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں۔ خود کفر کرتے ہیں، برائی کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں تو سزا پاتے ہیں۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ اللہ کا مومن بندہ دلی ہمدردی سے دلائل دیے جاتا ہے۔ کہنے لگا جس روش پر تم چل رہے ہو یہ تمہیں خسارے میں لے جائے گی۔ تمہارے بارے میں قیامت کے دن سے خوفزدہ ہوں جس دن ہر طرف چیخ و پکار ہوگی۔ ہر کوئی اپنے لیے دُہائی دے رہا ہوگا۔ اس دن تم کیا کرو گے؟ اس روز بچ

نکلنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

کہنے لگا، جب قیامت قائم ہوگی تو تم جیسے لوگ جو کفر اختیار کرتے ہیں وہ چاہیں گے کہ حساب کتاب سے بچ کر کہیں بھاگ جائیں۔ میدانِ حشر سے نکل جائیں لیکن کیسے؟ اللہ کے عذاب سے بچانا خود اللہ ہی کا کام ہے، کوئی دوسرا نہیں بچا سکتا۔ یاد رکھو! بھاگ سکو گے نہ چھپ سکو گے اور نہ کچھ چھپا سکو گے۔ اللہ جسے گمراہی میں دھکیل دیں، اسے پھر ہدایت کی طرف لانے والا کوئی نہیں۔ یہ بھی یاد رکھو! اللہ زبردستی یا ظلماً نہیں دھکیلتے۔ بندے کا کردار ہی ایسا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں اس پر ہدایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ وہ کفر میں دھکیل دیا جاتا ہے، اسی میں مرجاتا ہے اور ہمیشہ کی تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جب کوئی کفر کو پسند کرلے، فیصلہ کرلے تو پھر اللہ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی اللہ کے نبیؑ آتے رہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾

اللہ کے صاحبِ ایمان (بندے) کا مکالمہ جاری ہے۔ اس نے مثال دے کر سمجھایا کہ تمہارے پاس پہلے یوسف علیہ السلام بڑے واضح دلائل لے کر تشریف لائے اور تم ساری عمر شک ہی کرتے رہے کہ پتا نہیں جو یہ کہتے ہیں وہ سچ بھی ہے کہ نہیں۔ یہاں تک کہ اگر آپؑ دنیا سے پردہ فرما گئے۔ تم ایسی بدنصیب قوم ہو کہ یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد تم کہنے لگے، انؑ کا تو وصال ہو گیا۔ اب اللہ اپنا کوئی نبی اور رسول (علیہ السلام) نہیں بھیجے گا، ہمارا جو جی چاہے گا ہم کریں گے۔ تم کیسے لوگ ہو جو اس بات پر خوش ہو کہ تمہیں اللہ کی ہدایت نہ پہنچے۔ تم اللہ کی عظیم ترین نعمت، نبوت اور نبوت کے انعامات پر خوش نہیں ہوتے اور اس بات پر خوش ہوتے ہو کہ کوئی نبی (علیہ السلام) نہ آئے، اللہ کا پیغام نہ آئے اور تم محض اپنی خواہشات پر زندگی گزار دو لیکن اللہ ایسے لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں جو حد سے نکل جانے والے اور شک کرنے والے ہوں۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں، جو اُن کے پاس آئی ہوں۔ اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک (یہ جھگڑا) ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح اللہ ہر تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کے احکام میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ کے پیغمبرؑ کے پیغام کو قبول نہیں کرتے اُن کے اس عمل

سے اللہ کے ایماندار بندوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ مومن کو ایذا دینا خود ایک جرم ہے جس کی بڑی سخت سزا ہے، اور یہ تو دہری سزا کے مستحق ہیں۔ اوّل پیغامِ رسالت کا انکار، دوم احکامِ الٰہی میں جھگڑا۔ درحقیقت بدکار اور شکی لوگ ہی یہ کام کرتے ہیں۔ اللہ ہر اس شخص کے قلب پر مہر کر دیتے ہیں جو تکبر کرنے والا اور ظالم ہوتا ہے۔ جس کے دل میں کفر رچ بس جائے، اس کی دلی پسند بن جائے تو پھر اس میں نورِ ایمان داخل نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو اچھائی برائی کی تمیز نہیں رہتی۔

یہ آیہء مبارکہ بھی قلب کی اہمیت واضح کرتی ہے کہ قلب درست ہو تو افکار و اعمال بھلے ہوتے ہیں۔ قلب میں بیماری ہو، قلب خراب ہو تو افکار و اعمال بھی بُرے ہوتے ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنواؤ شاید میں راستوں تک جا پہنچوں۔ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۔۔۔ (یعنی) آسمانوں کے راستوں پر تو موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں۔

فرعون جب لاجواب ہوگیا تو ہامان سے کہنے لگا کہ کوئی بلند و بالا عمارت بنواؤ تاکہ میں آسمانوں پر کوئی راستہ پاؤں اور موسیٰ (علیہ السلام کے ربّ کو دیکھوں۔ مفسرین کرام کے مطابق ایسی عمارت بنائی گئی جو بلندیوں پر پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر گئی۔ یہ اس کی جاہلانہ خواہش تھی۔ کفر کی ہر تدبیر ہی اُلٹی ہوتی ہے۔

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾ اور بے شک میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اور اسی طرح فرعون کو اس کے برے اعمال اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ راستے سے روک دیا گیا تھا۔ اور فرعون کی تدبیر غارت گئی۔

اللہ کریم کے پیغام کا انکار، اللہ کے نبیؑ کا تمسخر، قلب پر مہر لگنے کا سبب ہے۔ جس کا انجام ہلاکت ہے۔ فرعون نے بھی بندہء مومن سے حق سنا، حق پر دلائل سُنے لیکن حق کے انکار پر قائم رہا۔ اور تمسخر کرتا رہا تو اس پر ہدایت کا دروازہ بند ہوگیا۔ جس سے اللہ کریم ناراض ہو جائیں اُسے بُرائی بھلی لگنے لگتی ہے اور یہ وہ عذاب ہے جو بندے کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ فرعون نے تو ایک تدبیر لڑائی لیکن اس کی تدبیر بے کار گئی۔

سورۃ المومن رکوع 5 آیات 38 تا 50

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يٰقَوْمِ
اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾ مَنْ
عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾
وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾ تَدْعُوْنَنِيْ
لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ
الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي
الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٤٣﴾
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ
بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ
الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ
السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ
فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ
اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ
ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ

رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ
اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

اور اس ایمان دار شخص نے کہا اے میری قوم! میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک ٹھیک راہ بتاتا ہوں ﴿۳۸﴾ اے میری قوم! یقیناً دنیا کی یہ زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور بلاشبہ آخرت ہی ہمیشہ کا گھر ہے ﴿۳۹﴾ جو برے کام کرے گا تو اس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو، سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے وہاں ان کو بے حساب رزق ملے گا ﴿۴۰﴾ اور اے میری قوم! مجھے کیا ہے میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو ﴿۴۱﴾ تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی چیز کو شریک بناؤں جس کے بارے میرے پاس کوئی علم نہیں اور میں تمہیں (اللہ) زبردست (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں ﴿۴۲﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس چیز کی طرف بلاتے ہو جو نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں پکارے جانے کے لائق ہے اور یہ کہ ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور یہ کہ حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں ﴿۴۳﴾ سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والے ہیں ﴿۴۴﴾ پھر اللہ نے اس (مومن) کو ان کی بری تدبیروں سے بچالیا اور فرعون والوں کو بُرے عذاب نے آگھیرا ﴿۴۵﴾ آگ، کہ (برزخ میں) صبح اور شام اس کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (ارشاد ہوگا کہ) فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو ﴿۴۶﴾ اور جب دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے، بے شک ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی جز ہٹا سکتے ہو ﴿۴۷﴾ وہ بڑے لوگ کہیں گے ہم سب ہی اس (دوزخ) میں ہیں یقیناً اللہ بندوں کے

درمیان فیصلہ فرما چکے ﴿۴۸﴾ اور جو لوگ آگ میں ہوں گے جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ایک روز تو ہم سے عذاب ہلکا کر دیں ﴿۴۹﴾ وہ کہیں گے کیا تمہارے پیغمبر تمہارے پاس نشانیاں لے کر نہیں آتے رہے تھے؟ (دوزخی) کہیں گے ہاں، تو (فرشتے) کہیں گے پھر تم (خود ہی) دعا کرو اور کافروں کی دعا بے کار ہوگی ﴿۵۰﴾

تفسیر ومعارف

آلِ فرعون کے اس مومن بندے نے فرعونیوں سے بہت کُھل کر بات کی کہ تم حق کو چھوڑ کر اپنی من مانی کرنا چاہتے ہو تو کب تک مرضی کرو گے آخر تمہیں اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہی ہوگا۔ کہنے لگا: وَقَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَہۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ اور اس ایمان دار شخص نے کہا اے میری قوم! میری راہ چلو میں تم کو ٹھیک ٹھیک راہ بتاتا ہوں۔

: یٰقَوۡمِ اِنَّمَا ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَۃَ ہِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾ میری قوم! یقیناً دنیا کی یہ زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور بلاشبہ آخرت ہی ہمیشہ کا گھر ہے۔ قوم کو سمجھانے لگا کہ دنیا، اس کی دولت، اس کا اقتدار و حکومت اور اس کی لذتیں محض وقتی ہیں، عارضی ہیں۔ یہ تو چند دن ہیں۔ فقیر کے جھگی میں گزر جائیں گے اور بادشاہ کے محل میں بسر ہو جائیں گے۔ مر کر دونوں ہی خاک ہو جائیں گے لیکن وہ زندگی جو مر کر شروع ہوگی وہ کبھی ختم نہ ہوگی۔ یہ دنیا اگرچہ وقتی اور لمحاتی ہے لیکن آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی کا دارومدار اسی دنیوی زندگی پر ہے لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اللہ کی اطاعت کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارو۔ اور یاد رکھو!

:مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا ۔۔۔ جو برائی کرے گا پھر وہ یہ اُمید رکھے کہ اس کا اجر بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ برائی کر رہا ہے۔ نافرمانی کے بدلے میں انعام تو نہیں ملے گا۔ اور: وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ جو نیکی کرے گا وہ مرد ہو یا عورت اور ہو وہ مومن تو اللہ انہیں بدلے میں جنت عطا فرمائیں گے۔ اور جنت ایسی جگہ ہے جہاں اللہ بلا حساب، بے شمار دے گا۔ اللہ کی نعمتیں شمار نہیں کی جا سکیں گی۔ لیکن ایمان شرط ہے۔ جس کا عقیدہ صحیح ہوگا، جس کا عمل صالح ہوگا جنت اس کے لیے ہے۔

کہنے لگا: وَ یٰقَوۡمِ مَا لِیۡۤ اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی النَّجٰوۃِ وَ تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ کہنے لگا، عجیب بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں، اللہ کے انعامات کی طرف بُلا رہا ہوں، جنت کی طرف دعوت دے رہا

ہوں اور تم ایسے لوگ ہو کہ مجھے بھی کہتے ہو کہ میں کفر و شرک میں شامل ہو کر جہنم واصل ہو جاؤں! میں تمہارے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں تمہیں اللہ کی رضا کی طرف، جنت کی طرف بُلا رہا ہوں اور تم میرے ساتھ یہ نیکی کر رہے ہو کہ مجھے جہنم میں پھینکنا چاہتے ہو۔ تم چاہتے ہو میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناؤں، جس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں

تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ۝ میں تمہیں اس ذاتِ عظیم کی طرف دعوت دے رہا ہوں جو غالب بھی ہے، بہت معاف کرنے والی اور بے حد درگزر کرنے والی ہے۔

یہ اللہ کی کتنی عظیم مہربانی ہے کہ اس نے توبہ پر کوئی قید نہیں لگائی۔ کفر کیا ہو، شرک کیا ہو، کتنے ہی گناہ کر لیے ہوں۔ فرماتا ہے جو کچھ بھی کر چکے ہو اس پر نادم ہو جاؤ۔ آئندہ کے لیے چھوڑ دو۔ اللہ کی بارگاہ میں آ جاؤ۔ اپنا عقیدہ درست کر لو، کردار درست کر لو۔ میں تمہیں اس مہربان ذات کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور: لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے جس چیز کی طرف بلا رہے ہو۔ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اللہ سے کفر پر، انبیاؑ کے انکار پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں۔ تم خود تو یہ کر رہے ہو اور مجھے بھی اسی بے دلیل کام کی دعوت دے رہے ہو۔ یہ بات تو طے ہے کہ ہم سب کو واپس اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ سوچو! اللہ کی بارگاہ میں اس کے حضور میں کیا جواب دو گے؟ وہاں کفر و شرک ساتھ لے کر جاؤ گے برائیاں اور جرائم لے کر جاؤ گے یا اللہ کی اطاعت کے پھول لے کر جاؤ گے؟ جانا تو ہے! ہر کوئی جا رہا ہے۔ جانا تو پڑے گا۔ مخلوق خدا کا ایک سیلِ رواں آ رہا ہے اور جا رہا ہے۔ اپنی باری پر مجھے بھی جانا ہوگا، تمہیں بھی جانا ہوگا تو وہاں کیا پیش کرو گے؟ یاد رکھو! من مانی کرنے والے، زیادتی کرنے والے، اللہ کی حدود سے نکل جانے والے اس دن دوزخ میں جائیں گے۔ جو بھی اللہ اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات پر جیئے گا اُسے دوزخ جانا ہوگا۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ۔۔۔ سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے۔ آج تو تم نہیں مان رہے ہو، کبھی تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی۔ ایسا وقت بھی آئے گا جب موت آئے گی، برزخ پہنچو گے تو تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی کہ وہ کہتا تو ٹھیک ہی تھا! اور رہا میرا معاملہ تو: وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والے ہیں۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کے ہر حال سے واقف ہیں۔ میں تو اس کی اطاعت میں جینا چاہتا ہوں۔ توفیق دینے والا وہ ہے۔ میں تو ارادہ کر سکتا ہوں۔ میں اپنے امور اس کے سپرد کرتا ہوں جو بندے کے ہر حال سے بہت اچھی طرح واقف اور آگاہ ہے۔ بندۂ مومن نے

جب یہ ساری باتیں کھول کر بیان کردیں تو قوم ان کے درپے ہوگئی لیکن اللہ کریم نے انہیں بچالیا۔ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا۔۔۔ پھر اللہ نے اس (مومن) کو ان کی بری تدبیروں سے بچالیا۔

دکھ سکھ کے اثرات:

دنیا میں دکھ سکھ زندگی کا حصہ ہیں لیکن اثرات کے لحاظ سے لوگ تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ، جن پر دکھ بطورِ سزا مسلّط کردیے جاتے ہیں۔ توبہ کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں خواہ کوئی جعلی پیر کے پاس جائے یا عامل کے پاس۔ آج کل تو رواج ہے کہ ذرا کوئی مسئلہ ہوا اور لوگ حساب کرانے دوڑتے ہیں۔ ان عملیات کے قائل ہیں اللہ کی عظمت کو کم ہی مانتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ زائچے بنانے والے، حساب لگانے والے کیا خود کبھی کسی مشکل میں گرفتار نہیں ہوتے، ان پر کوئی مصیبت نہیں آتی؟ یقیناً خود ان پر بھی ہر مشکل آتی ہے تو پھر ان خرافات میں کیا رکھا ہے؟

جو مصیبتیں بطورِ سزا مسلط ہوتی ہیں ان کے لئے اللہ کا احسان ہے کہ توبہ کا در وا ہے۔ جب تک زندگی باقی ہے توبہ کرسکتا ہے۔ اس پر کوئی قید بھی نہیں ہے۔ جتنے بھی گناہ ہوچکے ہوں جب بھی کوئی خلوصِ دل سے توبہ کرے، اللہ قبول فرمالیتے ہیں۔

ہاں! کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے عقائد درست ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے اطاعت گزار بندے ہوتے ہیں۔ ان پر بھی تکلیفیں آجاتی ہیں۔ علمائے حق فرماتے ہیں، ایسے لوگوں کی تکلیفیں تلافیٔ مافات ہوتی ہیں کہ بندے چونکہ اللہ کی بے پناہ نعمتیں ہر لحظہ استعمال کرتے ہیں اگر ان کے شکر میں کوئی کمی رہ جائے تو اللہ کریم کوئی بیماری، کوئی تکلیف، کوئی پریشانی بھیج کر وہ کمی پوری فرمادیتے ہیں۔

تیری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں اور عنداللہ جو منازلِ قرب ہیں ان میں بعض منازل ایسی ہیں کہ ان پر صورتاً مصیبتیں مرتب ہوتی ہیں۔ جیسے شہادت بہت اعلیٰ منزل ہے لیکن صورتاً اس کے لیے قتل ہونا پڑتا ہے۔ قتل ہوتا ہے تو شہید ہوتا ہے۔ یہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں جن پر اللہ کا یہ انعام ہوتا ہے۔ ان کے مدارج، منازل ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر مصائب ان کے درجات بلند کرنے کے لیے آتے ہیں اور ان کا سب معاملہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

کفر و شرک کرنے والوں کا حال بالکل مختلف ہوتا ہے۔ غیر مومن کبھی سکون نہیں پا سکتا۔ ہمیشہ تکلیف میں رہتا ہے۔ یہ حال کفر کا خاصہ ہے۔ کفر و شرک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انسان کو ہر لحظہ بیقرار رکھتا ہے۔ کافر کے پاس دولت ہوسکتی ہے، حکومت ہوسکتی ہے، صحت و اولاد ہوسکتی ہے لیکن اس کے پاس سکون نہیں ہوسکتا۔

ارشاد ہوتا ہے: وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴿۴۵﴾ اور فرعون والوں کو برے عذاب نے آ گھیرا۔ وہ لوگ تو ساری تدبیریں ایمان والوں کو دکھ پہنچانے کے لیے کرتے تھے لیکن وہ ساری ان کے گلے پڑ گئیں۔ ان کو بڑے بڑے عذابوں نے آ گھیرا۔ یہ لوگ جتنا عرصہ موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے ماننے والوں سے مقابلہ کرتے رہے اتنا عرصہ ان پر مختلف طرح کے عذاب وارد ہوتے رہے جن کا ذکر بالتفصیل قرآن میں موجود ہے۔ بالآخر غضبِ الٰہی کی گرفت میں آئے اور غرقِ آب ہو کر جہنم میں داخل ہو گئے۔ وہ ڈوبے تو پانی میں تھے لیکن داخل آگ میں ہوئے۔ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن میں آتا ہے: اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (نوح:25) غرق کیے گئے پھر دوزخ میں داخل کیے گئے۔

عذابِ قبر پر دلیل:

فرمایا: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴿۴۶﴾ یہ آیت عذابِ قبر پر دلیل ہے۔ فرمایا گیا کہ یہ صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ غرق ہونے سے لے کر قیامِ قیامت تک یہ عذاب انہیں مسلسل ہوتا رہے گا۔ مرنے والے فنا نہیں ہو جاتے اپنے اعمال کے انجام کے حساب سے اپنے حال پر رہتے ہیں۔ یہاں یہی فرمایا گیا ہے کہ برزخ میں انہیں عذاب پر پیش کیا جاتا ہے اور قیامت کے دن ان کو سخت عذاب میں داخل کیا جائے گا۔

برزخ:

موت سے قیامت تک کا جو وقفہ ہے اسے برزخ کہتے ہیں۔ برزخ کے لفظی معنی پردہ یا حجاب کے ہیں۔ قیامِ قیامت اور موت کے درمیان جو عرصہ ہے وہ بھی پردے کے پار ہے اس لیے اسے برزخ کہا جاتا ہے۔ برزخ دراصل ایک انتظار گاہ ہے۔ جو بھی دنیا سے جاتا ہے وہ قیامت کے انتظار کا عرصہ برزخ میں قیام کرتا ہے۔ لیکن انتظار گاہ میں بھی مدارج ہیں۔ جس درجے کا بندہ ہو، برزخ میں اس کے لیے اسی درجے کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ مجرموں کے لیے اُن کے حساب سے اور اللہ کے ایمان دار بندوں کے لیے، اعمالِ صالحہ کرنے والوں کے لیے اُن کی شایانِ شان انتظام ہوتا ہے۔

یہ سوال، اکثر کیا جاتا ہے کہ عذاب و ثواب کا فیصلہ تو میدانِ حشر میں ہونا ہے تو پھر برزخ کا عذاب کیسا؟ بات یہ ہے کہ ہر مرنے والا اپنے انجام کے حساب سے برزخ میں رہتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ برزخ میں ہر ایک کا اپنا مقام

ہے۔ ضروری نہیں کہ سب کو عذاب ہو رہا ہو۔ اللہ کے بہت سے بندے برزخ میں خوش و خرم ہیں۔ برزخی حالت بندے کے عقیدے اور اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسا بندہ ہو، ویسا اس کے قیام کا انتظام ہوتا ہے۔ بندۂ مومن کے لیے باغ و بہار، جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں ہیں۔ کافر اور مشرک کے لیے اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق، اس کے جرائم کے مطابق آگ اور دیگر مختلف طرح کے عذاب ہیں۔

آخرت کے عذاب برزخ کے عذابوں سے زیادہ سخت ہوں گے۔ جب انہیں حکم دیا جائے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ تو وہاں جھگڑا کریں گے: اِذۡ يَتَحَآجُّوۡنَ فِى النَّارِ فَيَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَـكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِيۡبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

جب دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ اپنے بڑوں سے کہیں گے۔ ان لوگوں سے جو طاقتور تھے جن کے پاس اقتدار و اختیار تھا، جو ملک کے سیاہ و سفید کے مالک تھے یعنی بڑے بڑے لوگوں سے کمزور لوگ کہیں گے، ہم تو تمہارا اتباع کرنے والے تھے، تمہاری اطاعت کرنے والے تھے، تمہاری خدمت کرتے رہے، جس راستے پر تم چلے ہم بھی تمہارے پیچھے چلتے رہے تو اب کچھ تو کرو۔ ہمیں آگ سے نکال نہیں سکتے تو کچھ ایسا کر دو کہ اس کی تیزی اور شدت میں کمی آجائے۔ دکھ درد کچھ کم ہو جائے۔

قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُلٌّ فِيۡهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَكَمَ بَيۡنَ الۡعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وہ بڑے لوگ کہیں گے، ہم سب ہی جہنم میں ہیں، ہم کون سا تم سے الگ ہیں۔ ہم بھی اسی میں جل رہے ہیں۔ آج ہماری حکومتیں ختم ہو گئیں، ہمارے اقتدار چلے گئے، ہمارے فیصلے یہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اللہ نے اپنے بندوں کا فیصلہ کر دیا ہے۔ جو راستہ ہم نے چنا تھا اس کا انجام یہ دوزخ کی آگ تھی، ہم اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ آج ہماری حکومت ہے نہ اقتدار۔ آج ہم عہدیدار ہیں نہ صاحبِ اقتدار۔ آج ہم تمہاری طرح اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ ہیں۔ آج ہمارے احکام نہیں چلیں گے آج ہم بھی تمہارے ساتھ ہی جل رہے ہیں۔ اللہ کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے۔

وہ دوزخی جب اپنے سرداروں اور بڑوں سے ناامید ہو جائیں گے تو: وَقَالَ الَّذِيۡنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادۡعُوۡا رَبَّكُمۡ يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ﴿۴۹﴾ پھر جہنم پر مامور فرشتوں سے گزارش کریں گے کہ اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ ایک دن کے لیے عذاب ہلکا کر دیں۔ نہ ماننے والوں کی یہ کیسی بدنصیبی ہے کہ دنیا میں انہوں نے اللہ کو ربّ نہیں مانا اب آخرت میں بھی ان کے منہ سے یہ نہیں نکلتا کہ ہمارا بھی ربّ ہے۔ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنے ربّ سے کہو۔ دنیا میں چونکہ ربّ مانتے نہیں تھے اب آخرت میں مان سکتے نہیں! جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار کو پکارو، ہمیں ایک دن تو عذاب سے رخصت دے دے۔ ایک دن دوزخ میں آگ

سرد ہو جائے، ایک دن عذاب ختم ہو جائیں!

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ وہ فرشتے کہیں گے، کیا تمہارے پاس اللہ کے رسول دلائل اور معجزات لے کر نہیں آئے تھے؟ جب تم دنیا میں تھے تو اللہ نے کیا تمہیں اپنی اس نعمت سے محروم رکھا اور تمہارے پاس کوئی نبی نہیں آئے نہ کسی رسول ؑ کی خبر تم تک پہنچی؟ کیا کسی نے تمہیں بتایا ہی نہیں؟ فرشتے کہیں گے پھر خود ہی دعا کرو۔ وہ تو تم پر بہت مہربان تھا۔ تم عاجز مخلوق تھے۔ اس نے اتنی مہربانی کی کہ خالق و مالک ہو کر اپنی ادنیٰ مخلوق کو اپنا پیغام بھیجا۔ اور کوئی عام آدمی نہیں اپنے نبی اور رسول علیھم السلام بھیجے۔ اپنی کتاب بھیجی۔ تمہاری راہنمائی کا مکمل انتظام فرما دیا تو اب اسی کو پکارو!

اللہ کریم فرماتے ہیں، کافروں کی دعا بے کار ہوگی۔ اس لیے کہ دعا کا وقت، توبہ کا وقت، مانگنے کا وقت دنیا میں تھا۔ دارِ عمل میں تھا۔ دارِ عمل ختم ہو گیا، آگے دارِ جزا ہے۔ وہاں عمل کی فرصت نہیں۔ عمل کا موقع موت سے پہلے پہلے تھا۔ دار جزا میں جو کیا وہ بھگتنا ہوگا۔ دراصل ایمان نام ہی اعتماد علی الرسول ؐ کا ہے۔ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتماد کا نام ہے۔ جب دنیا میں انبیاؑ نے انہیں دعوتِ حق دی اور انہوں نے نہ مانا تو آج یہ پکارتے رہیں ان کی سنے گا کون؟ انہوں نے تو وہ دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔ دارِ جزا میں کافروں کی دعائیں کوئی قیمت نہیں رکھتیں، سب ضائع جائیں گی۔ آج ان کا دعا مانگنا بے سود ہوگا۔

سورۃ المومن رکوع 6 آیات 51 تا 60

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ
الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ
الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْهُدٰى وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾
هُدًى وَذِكْرٰى لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ
لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي
اٰيٰتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ أَتٰهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ
بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا
يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۙ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا
الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلٰكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ
الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دٰخِرِينَ ﴿٦٠﴾

یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد فرماتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (تب بھی) ﴿۵۱﴾ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے ﴿۵۲﴾ اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت (تورات) عطا فرمائی

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا ﴿۵۳﴾ عقل مندوں کے لیے راہنمائی اور نصیحت ﴿۵۴﴾ پس صبر کریں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگیں اور صبح وشام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں ﴿۵۵﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات میں بغیر کسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں جو اُن کے پاس آئی ہوں، ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی خواہش ہے وہ اس تک پہنچنے والے نہیں سو اللہ کی پناہ مانگتے رہیے بے شک وہی (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) دیکھنے والے ہیں ﴿۵۶﴾ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۵۷﴾ اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور بدکار برابر نہیں تم بہت کم غور کرتے ہو ﴿۵۸﴾ بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ولیکن اکثر لوگ نہیں مانتے ﴿۵۹﴾ اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول فرماؤں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے ﴿۶۰﴾

تفسیر ومعارف

اللہ کی مدد پیغمبروں اور ان کے متبعین کے ساتھ ہے:

فرمایا: إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد فرماتے ہیں اور جس دن وہ گواہ کھڑے ہوں گے۔ (تب بھی)۔

یہ حتمی اور یقینی بات ہے کہ اللہ کریم اپنے رسولوںؑ کی مدد فرماتے ہیں اور اپنے ایمان دار بندوں کی بھی۔ دنیوی زندگی میں ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اپنی معیت سے نوازتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ کا فرمانا تو حق ہے، لیکن ہمیں معیتِ باری کا احساس اس لیے نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے اعتماد میں کمی ہوتی ہے۔ ہم رسماً کلمہ پڑھ لیتے ہیں، دل مطمئن نہیں ہوتے۔ دل میں دھڑکا لگا رہتا ہے، یہ نہ ہو جائے، وہ نہ

ہو جائے۔ زبانی، زبانی کہتے ہیں، اللہ قادر ہے لیکن ایمان میں کمزوری کی وجہ سے عملی زندگی میں ماننا مشکل ہے۔ اللہ کریم تو کرم فرماتے ہیں کوئی اللہ کریم کی عظمت پر اعتماد کر کے تو دیکھے!

فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے انبیاؑ کی اور ان کے متبعین کی دنیا میں بھی مدد فرماتے ہیں اور جب میدانِ حشر سجے گا، گواہیاں ہوں گی، حساب کتاب ہوگا اس دن بھی ان کی مدد فرمائیں گے۔

منکرین کا حال:

فرمایا: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴿۵۲﴾ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔

وہ بڑے بڑے سرکش اور ظالم جو دنیا میں اللہ کے مقابلے میں رہتے تھے۔ اللہ کی راہ سے روکتے اور ظلم کرتے تھے اس دن وہ معذرت کریں گے، معافیاں مانگیں گے کہ ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہمیں معاف فرما دے۔ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے لیکن ظلم کرنے والوں کو اس دن کی معذرت کام نہ آئے گی۔ اس دن ان پر لعنت یعنی رحمت سے محرومی ہوگی۔ انہوں نے دنیا میں رحمت سے دوری اختیار کر لی تھی اب یہاں وہ کسی طرح کی رحمت کا کوئی ذرّہ نہ پاسکیں گے۔ انہیں بہت ہی بُرے گھر یعنی جہنم میں منتقل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ عمل کا موقع نہیں، جزا و سزا کا وقت ہوگا۔

اللہ کی مدد کی مثال:

اللہ کریم نے ہمیشہ اپنے رسولوںؑ کی مدد فرمائی ہے جس کی مثال موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ﴿۵۳﴾ اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت (تورات) عطا فرمائی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴿۵۴﴾ عقل مندوں کے لیے راہنمائی اور نصیحت۔

فرمایا، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حقیقی راہنمائی کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپؑ جو فرماتے وہی حق تھا، وہی اللہ کا پیغام تھا۔ بنی اسرائیل پر اللہ کریم نے احسانِ عظیم فرمایا کہ ان میں اپنے انبیاءؑ بھیجتے رہے پھر موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول مبعوث فرمایا اُن کے ذریعے اپنی کتاب عطا فرمائی۔ اور انہیں اس کتاب کا وارث بنا دیا۔ ایک ایسی کتاب جو سراپا ہدایت تھی، جس کا ہر لفظ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا تھا، ہر جملہ نصیحت تھا۔ لیکن یہ نعمتیں دانش مند ہی حاصل کرتے ہیں۔ لُب کا تعلق عقل و دانش سے ہے۔ دماغی صلاحیتوں سے ہے۔ کسی بھی چیز کے ماحصل کو لُب کہا جاتا

ہے۔انسانی ظاہری وجود کا نہایت اہم حصہ اس کا دماغ اور شعور ہے لہٰذا عقل وخرد کو بھی لُب کہا جاتا ہے۔انسان کا ذہن اگر مختل ہو جائے تو وہ جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔اس کی انسانی عظمت اس کے دماغ، عقل وشعور کے ساتھ ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جن کا شعور صحیح ہو وہ بھلا انبیاؑ کے ارشادات کو، کتابِ الٰہی کو، اللہ کی ان نعمتوں کو کب چھوڑتے ہیں۔اور جو اللہ کی ان عظیم الشان نعمتوں سے منہ موڑتا ہے، ان کی پروانہیں کرتا اور پھر خود کو عقلمند سمجھتا ہے تو اس سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں! اس سے بڑا جاہل کوئی نہیں! حقیقی عقلمند تو وہی ہے جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبیؐ کے ارشادات سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔انسانی عقل وخرد، شعور اور دانش کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان قیمتی چیزوں سے مستفید ہوا جائے۔

فَاصْبِرْ ۔۔۔ پس صبر کریں۔یہ بھی قانونِ فطرت ہے۔اللہ کریم نے آزمائشیں رکھی ہوئی ہیں۔مومن کے لیے یہ ترقیٔ درجات کا سبب بن جاتی ہیں۔بظاہر تکلیف ہوتی ہے لیکن اس پر صبر کرنا اور خیال رکھنا ہوتا ہے کہ دامانِ نبوت ہاتھ سے نہ چھوٹے۔گرمی آئے یا سردی بیماری آئے یا صحت، افلاس آئے یا امارت، دامانِ رسالت ہاتھ سے نہ چھوٹے۔یہاں اللہ کے نبیؐ کی وساطت سے حکم ہو رہا ہے۔اے مخاطب! ڈٹ جا، صبر کر۔

اللہ کی بخشش پانے کا نسخہ:

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۵۵﴾ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگیں اور صبح وشام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ قیامت کے دن بھی تیرا معاون ہوگا۔تجھے یہاں کوئی تکلیف ہوئی نہ وہاں کسی مسئلہ کا سامنا ہوگا لیکن ایک بات یاد رکھ! ہمہ وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہ۔

اس خطاب میں تو بڑے بڑے لوگ شامل ہیں۔یہ خطاب نبیؐ سے لے کر علماء اولیاء سب نیک لوگوں کے لیے ہے۔انبیاؑ تو گناہ کرتے ہی نہیں۔اُن سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں۔نبیؐ کو خطاب کا معنی یہ ہے کہ اُمت کے لیے یہ حکم تاکیدی ہے۔اہل اللہ اور علما کے لیے یہ حکم ان کے درجاتِ عالی کے مطابق ہے۔اور عام لوگوں کے لیے یعنی میرے اور آپ کے لیے اس میں یہ حکم ہے کہ جن امور کو ہم نیکیاں سمجھتے ہیں اُن میں بھی ہم سے کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیے نیکی کر کے بھی استغفار کرنا چاہئے۔استغفار کو لازم پکڑنا چاہیے۔گناہ صرف یہی نہیں کہ کسی کی چوری کر لی، ڈاکہ کر لیا، چغلی کر لی بلکہ بعض اوقات ہماری عبادات بھی گناہ بن جاتی ہیں۔ہم جب بارگاہِ الوہیت میں جاتے ہیں تو ہم اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے تو اللہ کے حضور ہوتے ہیں لیکن باتیں کسی اور سے کر رہے ہوتے ہیں۔گویا ہم عدالت میں حاضر ہیں لیکن جج کی طرف پشت کر کے کسی اور سے بات کر رہے ہیں تو کیا یہ عمل جرم نہیں بن جاتا؟

ہم جیسے لوگوں کی عبادتیں اس طرح گناہ بن جاتی ہیں۔ ہر بندے کو ہمہ وقت اللہ کی بخشش چاہیے۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے یہ راستہ بتادیا کہ بتقاضائے بشریت امورِ دنیا میں الجھنے کی وجہ سے تم سے یہ کوتاہیاں ہوتی ہیں اور دورانِ عبادت بھی ہوتی ہیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ استغفار کرتے رہو، مجھ سے معافی مانگتے رہو۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ استغفار کے ساتھ ساتھ ہر لحظہ اللہ کو یاد رکھو، اس کی عظمت، اس کی پاکی، اس کی قدرتِ کاملہ کا دھیان ہمہ وقت رکھو۔

اللہ کی بخشش پانے، دنیا وآخرت میں کامیاب ہونے کا نسخہ ان دو باتوں میں ہے۔ استغفار اور ذکر اللہ، ذکرِ دوام۔ دو طریقے ہیں۔ ایک یہ احساس کہ اللہ کی عظمت وراء الورآ ہے اور اس کے احسانات بے حد و بے حساب ہیں۔ بندہ اس کے احسانات کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ جتنی عبادت کرے، جتنی اللہ اللہ کرے، جتنی محنت اور جتنا بھی مجاہدہ کرلے، تلاوت کرے، نمازیں پڑھے، روزے رکھے پھر بھی استغفار ضروری ہے کہ ان عبادات میں بھی کمی رہ جاتی ہے۔ فرمایا اللہ سے بخشش طلب کرتے رہو وہ کریم ہے، معاف کردے گا اور اسے بھولنا نہیں۔ ہر لمحہ، ہر گھڑی اس کی عظمت دھیان میں رہے۔ اس کا نام لیتے رہو، اس کی تسبیح کرتے رہو۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی ناقص عقل سے، بے دلیل اور بے شعور لوگوں کی رائے سے، گمراہ لوگوں کے اقوال اور جہلاء کی باتوں سے اللہ کی کتاب پر اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر اعتراض کرتے ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ۔۔۔ بے شک جو لوگ اللہ کی عبادت میں بغیر کسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہوں، ان لوگوں کی باتوں کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ کہہ دیتے ہیں فلاں مؤرخ کی بات ہے تاریخ کیا ہے؟ لوگوں کی باتوں سے تاریخ مدون ہوتی ہے۔ تاریخ کی حیثیت کیا ہے کہ اسے قرآن کے مقابلے پر اہمیت دی جائے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، تاریخ مؤرخ کی سوچ اور نقطہ نظر ہے، اس کی مرضی کے مطابق لکھی جاتی ہے۔ انسانوں کی بتائی ہوئی باتیں اور واقعات جو کسی مصلحت کے تحت بدل بھی دیے جاتے ہیں وہ تاریخ بنتی ہے۔ تاریخ اگر اللہ کے کلام کے خلاف ہے تو تاریخ غلط ہے قرآن صحیح ہے۔ تاریخ اگر حدیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہے تو تاریخ غلط ہے، حدیث صحیح ہے۔

دین پر اعتراض کی وجہ، تکبر:

فرمایا: اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ۔۔۔ ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی

خواہش ہے وہ اس تک پہنچنے والے نہیں۔فرمایا، یہ جو دین پر اعتراض کرتے ہیں ان کے اندر، دل کی گہرائی میں اپنی بڑائی کا احساس جما ہوتا ہے کہ میں دوسرے کی بات کیوں مانوں، خواہ وہ اللہ کی ہو یا اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہو۔ جو میں کہتا ہوں وہ مانی جائے کہ میں معتبر ہوں۔ان کے دل میں اپنی بڑائی کی تمنا ہے۔بڑا بننے کی خواہش ہے۔

جو بھی قرآن وحدیث کو چھوڑ دیتا ہے، دین کو ٹھکرا کر اپنے فیصلوں پر عمل کرتا ہے دراصل وہ خود بڑا بننا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ کبھی بڑے نہیں بن سکتے۔ آخر موت آ کر ہر چیز تباہ کر دیتی ہے لہٰذا: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔۔۔ اے مخاطب! ہمہ وقت اللہ سے پناہ مانگتے رہو۔سب سے بڑی حفاظتی چھتری اللہ کی پناہ ہے۔اللہ کی پناہ میں رہو۔ توبہ کرتے رہو، اس کی ذات کی پاکی بیان کرتے رہو، اس کو یاد کرتے رہو۔اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴿۵۶﴾ بے شک وہی (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) دیکھنے والے ہیں۔اللہ کریم بڑی قدرت والے ہیں۔ ہر شے اللہ کے علم میں ہے۔سب کہنے بولنے والوں کو وہی سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔انسان جو کہہ دیتا ہے، کر دیتا ہے وہ اسے بھی سنتے دیکھتے ہیں اور جو کچھ بندے کے دل میں ہے اس سے بھی باخبر ہے۔

اللہ قادر مطلق:

اللہ کی عظمت سے ناآشنا لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ انہیں یہ خیال ہی بے چین رکھتا ہے کہ بندہ مرجائے گا، اسے مٹی کھا جائے گی تو وہ پھر زندہ کیسے ہوگا؟۔فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۵۷﴾ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فرمایا، آسمانوں اور زمین کی تخلیق، ایک انسانی وجود بنانے سے تو بہت بڑی ہے۔صرف زمین کو ہی دیکھ لو! نرم اتنی کہ سوئی سے کھودی جاسکتی ہے۔سخت اتنی کہ کئی سو منزلہ عمارتیں اٹھا کے کھڑی ہے۔خشک اتنی کہ صحرا میں ریت اڑتی ہے اور مرطوب اتنی کہ اس میں دریا بہتے اور چشمے پھوٹتے ہیں۔کیا کیا کمالات ہیں اس میں! حال ہی میں ایک امریکی خلانورد مسلمان ہوگیا۔وہ کہتا ہے میں عیسائی بھی نہیں تھا، یہودی بھی نہیں تھا۔میں تو اللہ کا ہی منکر تھا۔میرا خیال تھا کہ دنیا خود ہی بن گئی اور خود ہی فنا ہو جائے گی۔سائنسی تجربات ومشاہدات کے بعد جب میں نے خلاء سے زمین کو خود دیکھا کہ اتنا بڑا کرۂ ارض جسے کسی طرف سے کوئی سپورٹ نہیں، ستون پر لٹکا ہوا ہے نہ کسی اور شے پر رکھا ہوا ہے۔فضا میں معلق ہے۔اتنی مخلوق کو اٹھا کر، اتنے پہاڑ، دریا، سمندر، جانور پرندے سب کو اٹھائے ہوئے ہوا میں معلق ہے تو

مجھے یقین آ گیا کہ اسے ضرور کسی نے تھام رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے میں اس بات پر مسلمان ہو گیا۔ اللہ کا قائل ہو گیا۔

زمین و آسمان پر جتنا غور کریں قدرتِ باری اُتنی عیاں ہوتی جاتی ہے۔ زمین پر موسم بدلتے ہیں۔ خزاں آتی ہے تو پتے جھڑ جاتے ہیں۔ درخت ٹنڈ منڈ ہو جاتے ہیں۔ بہار آتی ہے تو پھر سے سرسبز ہو جاتے ہیں، شگوفے پھوٹتے ہیں، درخت پھولوں، پھلوں سے لد جاتے ہیں۔ سب جگہ اللہ کی مخلوق سانس لے رہی ہے غذا کھا رہی ہے۔ ساری مخلوق کی رہائش کا انتظام بھی ہے، ضروریاتِ زندگی بھی بہم پہنچائی جا رہی ہیں تو یہ سب کون مہیا کر رہا ہے؟ انسان غور تو کرے! فرمایا جا رہا ہے کہ بتاؤ اتنی بڑی کارگاہِ حیات جو بنا رہا ہے، چلا رہا ہے، یہ مشکل ہے یا ایک بندے کو دوبارہ بنانا؟ حق یہ ہے کہ یہ ارض و سماء بنانا، کائنات چلانا یہ بندے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے۔ لیکن: اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ اکثر لوگ نہیں جانتے۔

عِلم کیا ہے؟

لوگوں کی اکثریت جہلاء کی ہے۔ محض لکھنا پڑھنا، کتابیں پڑھ لینا، ڈگریاں لے لینا تعلیم یافتہ ہونا نہیں ہے۔ علم ایک کیفیت ہے جو دل کو حقائق سے آشنا کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو الفاظ کا ذخیرہ ہے یا خبروں اور باتوں کا ذخیرہ۔ علم وہی ہے جو دل کو متاثر کرے اور کردار میں بہتری لائے۔ لوگوں کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ وہ بہت پڑھے لکھے ہیں بے شمار data جمع ہو جاتا ہے۔ خبریں تو ہر اخبار میں بھی ہوتی ہیں اس سے کاغذ نہ بڑا ہو جاتا ہے نہ چھوٹا۔ قتل اور ڈاکے کی خبر چھاپ دیں تو کاغذ مرجھا نہیں جاتا اور شادی کی خبر چھاپ دیں تو کاغذ کِھل نہیں اٹھتا۔ دنیوی علوم تو وہ خبریں ہیں جو دماغ میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اچھی بات ہے کہ دنیوی علوم حاصل کیے جائیں۔ اور ساتھ ساتھ اللہ کے دین کو دل میں اتارا جائے۔ حقیقی علم تو وہی ہے جو نورِ بصیرت عطا کرتا ہے، زندگی بدل جاتی ہے لہٰذا دنیوی علوم کے ساتھ وہ علوم بھی حاصل کرنا چاہییں جو دلوں کو بدلیں۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ لوگوں کی اکثریت جاہل ہوتی ہے لیکن کہتے یہ ہیں کہ بہت پڑھے لکھے ہیں۔ کیا پڑھا لکھا کہ ساری عمر اللہ کی عظمت بھی نہ پہچان سکے۔ ساری عمر پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نہ پہچان سکے! اللہ کی کتاب نہ پڑھی تو پھر کیا پڑھا!

دامانِ رسالت تھامنے والا اور۔۔۔

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۔۔۔ اندھے اور آنکھوں والے کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ جو ساری عمر پڑھ کر بھی عظمتِ الٰہی کا ادراک نہ کر سکے، عظمتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جان سکے وہ اندھے ہیں۔ اور جنہوں

نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا، صاحبِ نظر ہیں۔ اندھے اور آنکھوں والے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۔۔۔ اسی طرح جسے نورِ ایمان اور اتباعِ رسالت نصیب ہو گیا وہ اور ایک بدکار، کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ دامانِ رسالت تھام کر چلنے والا اور شیطان کے پیچھے چلنے والا ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اتنی واضح بات پر بھی بڑے تھوڑے لوگ ہیں جو غور کرتے ہیں، تفکر کرتے ہیں، سوچنے کی تکلیف کرتے ہیں۔ کم، بہت کم!

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ولیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔ فرمایا، یہ محض باتیں نہیں ہیں، یہ کوئی قصہ کہانی نہیں ہے یہ حق ہے جس کی اطلاع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ جس کی اطلاع گزشتہ انبیاء دیتے رہے۔ جس کی اطلاع پہلی تمام کتابوں نے دی۔ جس کی اطلاع قرآن حکیم دے رہا ہے۔ یہی حق ہے۔ یقیناً قیامت آ رہی ہے لیکن انسانی آبادی کی اکثریت اس بات کو نہیں مان رہی۔ اکثریت اس سے غافل ہے انہیں اس کی فکر ہی نہیں۔

دعا:

فرمایا: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔۔۔ اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول فرماؤں گا۔ تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا ہے تمہیں بتا دیا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ فرمادیا ہے کہ مجھ سے فریاد کرو، مجھ سے مدد مانگو، جو چاہے مجھ سے مانگو میں تمہاری فریادرسی کروں گا، تمہیں وہ دوں گا جو تم مانگتے ہو لیکن دعا کا بھی سلیقہ ہے۔

اگر ہم عدالتِ عالیہ میں جائیں، کہیں کہ جناب! میرا یہ حق مجھے دلایا جائے۔ لیکن یہ کہتے ہوئے ہم جج کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو جائیں اور چپڑاسیوں اور دیگر لوگوں سے باتیں کرنے لگیں تو حق ملے گا یا سزا ملے گی؟

ہم جب اللہ سے دعا کرتے ہیں تو ہاتھ اٹھائے ہوتے ہیں، زبان سے الفاظ نکل رہے ہوتے ہیں، دل میں کچھ اور سوچ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کریم سلیقہ سکھا رہے ہیں کہ سب کو چھوڑ کر میری بارگاہ میں گزارش کرو، مجھے پکارو، میں تمہاری گزارش قبول کروں گا۔

اللہ کریم نے ایک جملے میں اتنا کچھ فرمادیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری بات مانوں گا۔ ہماری دعاؤں میں یہ بات نہیں ہے۔ شکل دعا کی بنائی ہوتی ہے سوچ کہیں اور ہوتی ہے۔ دماغ کہیں اور ہوتا ہے، دل کہیں اور! اصل بات یہ ہے کہ دلوں میں تکبر ہوتا ہے۔ بظاہر عبادت بھی کر رہے ہوں تو اندر اپنی انا اور بڑائی پل رہی ہوتی ہے۔ نماز میں بھی،

سجدے میں بھی، ایک ایک بات پر اس کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ رفع یدین نہیں کرتا، یہ مسلمان نہیں۔ میں کرتا ہوں، میں مسلمان ہوں۔ کیا یہ عبادت ہے؟ بندہ اپنی نماز پر دھیان دے۔ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے لے لے، دوسرے کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔ اس کا اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ ہے۔ وہ جسے بہتر سمجھتا ہے اسے وہ کرنے دو۔ خود تو یکسو ہو کر اس کی بارگاہ میں جاؤ۔

تکبر، اطاعت سے روکتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔

فرمایا، جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور اپنی رائے پر قائم رہتے ہیں۔ وہ میرا حکم نہیں مانتے، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں مانتے، اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں وہ بہت جلد ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل کیے جائیں گے۔

ان کے دلوں میں اپنی بڑائی کا خیال جم گیا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کہا مان لیا تو ان کی بڑائی ختم ہو جائے گی لہٰذا یہ انانیت کے باعث اللہ کے بھیجے ہوئے دین حق کا انکار کرتے ہیں۔

عبادت سے مراد اطاعت ہے۔ جو اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت سے منہ موڑتا ہے دراصل وہ اپنی بڑائی کا خواہاں ہے۔ ایسے لوگوں کا انجام کچھ دور نہیں۔ بہت زیادہ دور کی بات نہیں۔ بہت جلد یہ ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

عبادت سے مراد ذکر اللہ بھی ہے اور عبادت سے مراد دعا بھی ہے۔ جو شخص تکبر کے باعث دعا نہ مانگے اس پر غضبِ الٰہی کی وعید آئی ہے۔ اپنے آپ کو ایسا غنی سمجھے گویا اُسے تو دعا کی ضرورت ہی نہیں تو یہ بھی اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔ (ترمذی)

اللہ کریم اپنے غضب سے پناہ میں رکھے۔ ہمیں دعا مانگنے کا سلیقہ سکھائے اور ہماری دعائیں قبول فرمائے۔

سورۃ المومن رکوع 7 آیات 61 تا 68

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ
كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا
وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ
اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ
رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ
ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا
مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا
فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن روشن بنایا (کہ کام کرو) بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ﴿۶۱﴾ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اس کے

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو ﴿۶۲﴾ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹک رہے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے ﴿۶۳﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرارگاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں، سو خوب صورتیں بنائیں تمہاری اور تمہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سو بہت برکت والا ہے اللہ جو سب جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۶۴﴾ وہ زندہ رہنے والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم سب خالص اعتقاد کے ساتھ اسی کو پکارا کرو تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۶۵﴾ آپ فرما دیجیے کہ بے شک مجھے روک دیا گیا ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مَیں ان کی عبادت کروں جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیلیں آ چکیں اور مجھے یہ حکم ہوا کہ مَیں جہانوں کے پروردگار کا فرماں بردار رہوں ﴿۶۶﴾ وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا پھر نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے، پھر تم کو بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تو تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تاکہ تم (اپنے) وقتِ مقررہ کو پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھو ﴿۶۷﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پھر جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے ﴿۶۸﴾

تفسیر و معارف

اللہ کے فضل کے مظاہر:

فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن روشن بنایا (کہ کام کرو) بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

ارشاد ہوتا ہے، اللہ وہ ذاتِ کریم ہے جس نے تمہارے لیے رات کو سکون کا سبب بنا دیا۔ رات بنا دی تا کہ تم آرام کر سکو۔ اللہ کریم نے انسانی وجود ایسا بنایا ہے کہ اس کی بے پناہ ضروریات ہیں۔ کچھ ضروریات ایسی ہیں جن سے ہم واقف ہیں۔ جیسے بھوک، پیاس، نیند۔ اور کچھ ایسی ہیں جن کا ہمیں پتا بھی نہیں۔ نظامِ قدرت از خود ان کی تکمیل کرتا رہتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ٥ (التین: 4) یقیناً ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا۔ کائنات میں جو بہترین مخلوق ہے وہ انسانی وجود ہے۔ اس کے ایک ایک ذرّے میں کتنی حکمتیں، کتنے راز پوشیدہ ہیں۔ اس کے ایک ایک سیل میں ایک جہان آباد ہے۔ اس ایک سیل میں کروڑوں ایٹم ہیں۔ ہر ایٹم میں حیات ہے۔ اللہ نے انسانی وجود کا ایسا نظام بنایا ہے کہ جب یہ کام کر رہا ہوتا ہے، چل پھر رہا ہوتا ہے تو اس کی طاقت، جو زندگی کی ضرورت ہے جسے انرجی کہتے ہیں وہ خرچ ہو رہی ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے لیے اسے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تمہارا ایسا پروردگار ہے جو تمہاری ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ جنہیں تم جانتے ہو وہ بھی پوری کر رہا ہے اور جنہیں تم نہیں جانتے وہ بھی پوری کر رہا ہے۔ جب تم تھک جاتے ہو تو اپنی کھوئی ہوئی طاقت بحال کرنے کے لیے اللہ نے تمہیں نیند عطا کی ہے۔ سو کر اٹھتے ہو تو پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہو۔ اب اگر نیند کے لیے آرام اور سکون کا وقت نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ اس لیے اللہ نے تمہارے لیے دن کو رات اور دن پر تقسیم کر دیا۔ چوبیس گھنٹوں میں کچھ وقفہ رات کا بنا دیا کچھ حصہ دن بنا دیا۔

جس طرح ہم نیند کے لیے کمرے میں داخل ہو کر پنکھا چلا دیتے ہیں۔ بتیاں بجھا دیتے ہیں اسی طرح ربّ العالمین ہمارے آرام کے لیے کرۂ ارض کے ایک حصہ پر روشنی بند کر دیتے ہیں۔ ہر چیز خاموش ہو جاتی ہے۔ دن بھر جو پرندے چہچہا رہے تھے، وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ مشینوں اور کارخانوں کا شور ختم ہو جاتا ہے ماحول پُرسکون ہو جاتا ہے۔ یہ سارا انتظام اس لیے کیا کہ ہم آرام اور سکون حاصل کر سکیں۔ ربّ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ ہستی جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر وقت، ہر جگہ پوری کرے۔ ہر کسی کے ہر حال میں ہر آن آگاہ ہو اور ہر ایک کو ہر چیز دینے پر قدرت رکھتا ہو وہ ربّ ہے۔ فرمایا، اللہ وہ ذاتِ کریم ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم آرام اور سکون پا سکو۔

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۔۔۔ اور دن روشن بنایا (کہ کام کرو) دن میں ایسی صفت رکھی کہ سورج طلوع ہونے کے قریب آتا ہے تو پرندے چہچہانے لگتے ہیں، جانور اٹھ کر چلنے لگتے ہیں۔ انسان جاگ اٹھتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں جُت جاتا ہے۔ اللہ نے دن کو اتنا روشن کر دیا کہ تمہیں کسی مصنوعی طریقے سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ دن آتا ہے تو روشنیاں ساتھ لے کر آتا ہے۔ ہر چیز منور ہو جاتی ہے، کاروبارِ حیات پھر سے

شروع ہو جاتا ہے۔ کیا خوبصورت نظام ہے کہ کرۂ ارض پر اللہ نے شب و روز کو چلا رکھا ہے۔ آگے آگے دن چل رہا ہے، پیچھے پیچھے رات چل رہی ہے۔ جہاں رات تھی وہاں اب پَو پھوٹ رہی ہے۔ جہاں دن تھا وہاں شام ڈھل رہی ہے اور رات چھانے والی ہے۔ ایسا نظام بنا دیا کہ ہر لحہ مصروفِ عمل ہے۔ یہ نہیں کہ رات آئی تو دن چھٹی کر گیا اور دن آیا تو رات چھٹی کر گئی۔ نہیں، ہر لحہ، ہر گھڑی یہ نظام مصروف عمل ہے۔ یہ نظام مسلسل جاری ہے۔ اس میں کہیں خلل ہے نہ تعطل! دنیا کی طرح ان سہولیات پر نہ کوئی ٹیکس دینا پڑتا ہے نہ کچھ معاوضہ۔ انسان کو کوئی کوشش کرنا پڑتی ہے نہ محنت۔ رب العالمین اسے خود چلا رہا ہے۔

اللہ کریم لوگوں پر بے حد مہربان ہیں۔ اتنی مہربانیاں اور اتنا کرم ہے کہ جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بنی آدم میں کتنے ہی لوگ ہیں جو اس کی ذات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ مخلوق اسی کی ہے۔ رزق اسی کا دیا کھا رہی ہے، نعمتیں اسی کی استعمال کر رہی ہے۔ اللہ کے نظامِ ربوبیت سے مستفید ہو رہی ہے اور اس کی ذات کا اقرار کرنے کی بجائے انکار کر رہی ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ ان پر اپنا نظام بند نہیں کرتا کہ اپنی نعمتیں روک لے، انہیں سانس نہ لینے دے، انہیں رزق نہ دے۔ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان پر بھی اپنی نعمتیں لٹائے جا رہا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

''دوست تیرے کرم سے کب محروم رہ سکتے ہیں۔ تُو تو ایسا کریم ہے کہ دشمنوں پر بھی اپنی نعمتیں لٹائے جا رہا ہے''۔

پروردگار سب لوگوں پر بے حد و بے حساب مہربان ہے۔ اب اگر کوئی خدانخواستہ جہنم جاتا ہے تو رحمتِ الٰہی کو ٹھکرا کر ہی جاتا ہے۔ دامنِ رحمت سے خود کو جدا کر کے ہی جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی عجیب منطق ہے، کہا جاتا ہے کہ جنت جانا مشکل ہے۔ قرآنِ کریم نے سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، دین حق نے تو بتایا ہے کہ جنت جانا تو انتہائی آسان ہے۔ ہاں! دوزخ جانے کے لیے سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ برائیاں کرنا کب آسان ہے؟ کیا کفر اور بت پرستی آسان ہے؟ انسان ہو کر بندروں اور چوہوں کو سجدے کرنا آسان ہے! جھوٹ بولنا، چوری ڈاکہ کرنا، بدکاری کرنا، قتل و غارت کرنا، ان میں سے کون سا کام آسان ہے، جہنم جانے والے کام آسان نہیں۔

نیکی کرنا، شریفانہ زندگی بسر کرنا، حلال کھانا، سچ بولنا، اللہ کی عبادت کرنا کتنا پُرلطف، کتنا آسان ہے! اس میں کیا مشکل ہے؟

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾

لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جو شکر تک ادا نہیں کرتے۔ جو اللہ کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے، اس کے احسان کو مان کر نہیں دیتے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ مخلوق ہیں خالق کے احسانات نہیں مانتے یہ نہیں تھے تو انہیں اسی نے پیدا کیا لیکن بات یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت ناشکری ہوتی ہے۔

ایک ضمنی بات:

ملک میں رائج نام نہاد جمہوریت کی یہاں نفی ہوگئی کیونکہ قرآن بتارہا ہے اکثریت ناشکرگزار ہوتی ہے اور نام نہاد جمہوریت کہتی ہے اکثریت کا فیصلہ مانا جائے۔ اسلام نے کیا خوبصورت نظام دیا تھا کہ اکابرینِ ملت فیصلہ کریں کون ملک کا سربراہ ہوگا۔ وہ جس میں امانت، دیانت، قوتِ کار، استعدادِ کار، عقل وشعور، علم ودانش، ساری خوبیاں ہوں۔ وہ صادق اور امین ہو۔ یہ کام اکابرینِ امت کا ہے کہ وہ ایسا شخص منتخب کریں۔ پھر اسے اکثریت کے سامنے لائیں کہ لوگو! ہم نے اس شخص کو منتخب کیا ہے۔ پھر اکثریت چاہے تو صاد کرے نہ چاہیں تو کسی اور کو لایا جائے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاتَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ أُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا۔ (صحیح مسلم) ترجمہ: تم کبھی حکومت کے کسی عہدے کو طلب نہ کرنا کیونکہ اگر یہ تمہیں مانگنے پر دیا گیا تو تم اس کے سپرد کردیے جاؤ گے (اور تمہاری مدد) نہ کی جائے گی) اور اگر یہ مانگے بغیر تمہیں ملا تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی۔

ہماری بدقسمتی کہ ہم قرآن وسنت کو چھوڑ کر غیر مسلموں کی پیروی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ یہی بات یہاں بتائی گئی کہ محض اکثریت پر نہ جاؤ۔ اکثریت تو ناشکر گزار ہوتی ہے۔

فرمایا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو۔

فرمایا، تمہارا ربّ وسیع بخشش کا مالک۔ اس کی رحمت کا بحرِ رحمت ناپیدا کنار ہے۔ ہم تھے ہی نہیں، ہمارا وجود ہی نہیں تھا تو اس نے ہمیں پیدا کیا اور ہماری ضرورتیں پوری کرتا ہے بے شک وہی ہر چیز کا خالق ہے، مخلوق میں کسی کی مجال نہیں کہ اس کی برابری کرے۔ بھلا خالق ومخلوق میں کیا برابری؟ لہٰذا اس واحد ولاشریک کے علاوہ کوئی اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ اس کی عبادت کی جائے یا اس سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔ بے شک صرف وہی ہر نفع ونقصان کا مالک ہے۔ وہ واحد ولاشریک ہے تو لوگو! تم اللہ کا در چھوڑ کر مخلوق سے کیا پاؤ گے۔ جہاں جاؤ گے ناکام رہو گے۔ جہاں جاؤ گے، جس کے پاس جاؤ گے وہ خود محتاج ہوگا۔

ایک اصول، ایک مثال:

یہاں ایک بڑا بہترین اصول ملا کہ جو خود محتاج ہے وہ دوسرے محتاج کو کیا دے گا! اس ضمن میں، مَیں اپنے علاقے کے خانہ بندوشوں کی مثال پیش کیا کرتا ہوں۔ اس علاقے میں خانہ بدوش آتے جاتے رہتے ہیں۔ میں اکثر ان کی جھگیوں میں جا کر اُن کے حالات جانتا رہتا ہوں۔ مجھے تجسس رہتا ہے کہ ان کی زندگی کس ڈھب پر گزرتی ہے، یہ کیسا سوچتے ہیں، وغیرہ۔ ایک دن ایک جھگی والے کو دیکھا کہ وہ جھگی میں لیٹا ہوا تھا۔ چونکہ ان کا گزران گداگری کر کے ہوتا ہے تو میں نے اس سے پوچھ لیا آج تم بھیک مانگنے نہیں گئے؟ کہنے لگا، بخار تھا۔ پوچھا پھر آج گزارا کیسے ہوگا؟ کہنے لگا ہم پورا گھرانہ کل سے فاقے میں ہیں۔ بخار کے باعث گھر سے نہیں نکلا ورنہ بھیک مانگ کر روزانہ کا گزارا ہو جاتا تھا۔ میں نے کہا تمہارے اردگرد تمہارے رشتہ دار، پڑوسی، دوست ہیں ان ہی سے مانگ لیتے، گزارا تو کرتے؟ وہ میری بات سن کر ہنسا اور کہنے لگا: مانگ کر کھانے والا دوسرے کو نہیں دیتا۔ جو خود مانگ کر لاتا ہے اس سے مانگنے کا کیا فائدہ! اس کا جواب واقعی لاجواب تھا۔ ایک سچی حقیقت!

ساری کائنات اللہ کی محتاج ہے۔ وہ خود مانگنے پر لگی ہوئی ہے۔ ربّ کی محتاج ہے تو پھر ان سے کیا مانگنا جو خود محتاج ہیں! اس کے دَر پر جاؤ جو سب کو دیتا ہے۔ تمہارا اللہ ہی تمہارا پروردگار ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا، ہر مخلوق کی ہر ضرورت پوری کرنے والا۔ اس کے علاوہ کوئی اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کے سامنے سر جھکایا جائے، اس سے امیدیں وابستہ کی جائیں۔ پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹک رہے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

اللہ کی نشانیاں کیا ہیں؟ اس کے نبیؐ اور اس کا کلام اور کفر جحود کیا ہے؟ جانتے بوجھتے ہوئے انکار کر دینا۔ جن لوگوں نے انبیاؑ کا انکار کیا۔ اللہ کی کتابوں کا انکار کیا وہ یقیناً بھٹک گئے گمراہ ہو گئے۔ غور کرنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ کے کلام کو ماننے کے بعد اسے اہمیت نہیں دیتے جو کتابِ الٰہی کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے وہ لوگ کس انجام کو پہنچیں گے؟

کیسی عجیب بات ہے کہ ہم اسّی، نوّے برس جی لیتے ہیں اور ہمیں فرصت نہیں ملتی کہ قرآن پڑھ کر تو دیکھیں۔ کسی سے پوچھیں تو سہی کہ اس میں کیا لکھا ہے، یہ کیا بتاتا ہے۔ کسی ان پڑھ بندے کو کسی عزیز کا خط آ جائے تو وہ لے کر کسی پڑھے لکھے کے پاس جاتا ہے کہ بتاؤ اس میں کیا لکھا ہے؟ وہ بتا بھی دے تب بھی وہ کسی اور سے بھی پڑھواتا ہے۔ اس کی ایک بار پڑھوانے سے تسلی نہیں ہوتی۔ دو، تین لوگوں کی رائے ایک ہو جائے تب جا کر مانتا ہے کہ اس نے

ٹھیک پڑھا ہے۔ کیا کبھی کوئی قرآن لے کر کسی پڑھے لکھے کے پاس گیا کہ میرے اللہ نے یہ کتاب میری طرف بھیجی ہے، مجھے بتائیں، اس میں کیا لکھا ہے، مجھے کیا کرنا ہے؟

جانتے بوجھتے ہوئے صاف انکار کر دینا جو دہے اللہ انکار سے بچائے لیکن ساری عمر پروانہ کرنا بھی بہت بڑی گستاخی ہے۔ قرآن میں جو کچھ ہے وہ عمل کرنے کے لیے ہے۔ جو جانتے ہی نہیں اور جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے وہ قرآن کو اہمیت نہیں دیتے۔ وہ عملی زندگی من مانی میں گزارتے ہیں۔ عملی تکذیب بھی تکذیب کی قِسم ہے۔ فرمایا، جو میری آیات کا، میری کتاب کا، میرے احکام کا انکار کرتے ہیں وہ دردر پر بھٹکتے ہیں اور یونہی دھکے کھاتے مرجاتے ہیں۔

تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں:

اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ ۚۖ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۴﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو خوب صورتیں بنائیں تمہاری۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ سو بہت برکت والا ہے اللہ جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ کو دیکھو! فضا میں معلق کرۂ زمین کو تمہارے لیے قرار گاہ بنادیا۔ یہ بغیر کسی سہارے کے فضا میں تیر رہا ہے۔ یہ بیضوی ہے لیکن اس کی سطح ہر جگہ سیدھی ہے۔ جو لوگ بارہ گھنٹے کے فرق سے زمین کے دوسرے طرف ہیں وہ بھی وہاں سیدھے کھڑے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کششِ ثقل کے باعث ایسا ہے۔ کششِ ثقل کے باعث زمین پر چلتے پھرتے ہیں لیکن الٹے نہیں لٹک رہے، سیدھے ہیں۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے۔

اللہ ہی نے آسمان کو چھت بنا دیا ہے۔ زمین ایک بیضوی شکل کا کُرّہ ہے لیکن جدھر جاؤ آسمان سر پر موجود ہے۔ سائبان کی طرح موجود ہے۔ شمال جاؤ یا جنوب۔ مشرق جاؤ یا مغرب۔ آسمان کی چھت ہر جگہ ہے۔

اللہ کریم کی لاتناہی نعمتیں ہیں۔ دنیا میں جتنی صورتیں ہیں، سب ربّ العالمین نے بنائیں۔ سب سے خوبصورت انسان کو بنایا۔ متناسب وجود۔ ہر وجود میں وہی اعضا ہیں لیکن ہر وجود جُدا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے انسان آئے، جو گزر چکے سب کے اعضاء وہی تھے۔ سر، دھڑ، ٹانگیں، دو کان، دو آنکھیں، ناک، منہ، چہرہ لیکن ہر ایک کی صورت الگ۔ اللہ کریم نے فرمایا، ہم نے ہر ایک کی صورت بنائی اور

کیا ہی خوبصورت صورتیں بنائیں!

صرف صورت ہی نہیں بنائی، تمہارے لیے پاکیزہ چیزوں کو غذا بنا دیا۔ وہ چاہتا تو جس طرح جانور گھاس چرتے پھرتے ہیں تمہیں بھی یہی غذا دیتا۔ تمہاری غذا، چارے کو بنا دیتا، درختوں کے پتے تمہاری غذا بنا دیتا یا کیڑے مکوڑے تمہاری غذا مقرر کر دیتا تو تم یہی چیزیں کھا رہے ہوتے۔ لیکن اس نے تمہاری غذا صاف ستھری، پاکیزہ اور پُرلذت رکھی۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ذرائع پیدا کر دیے کہ حلال غذا، جائز ذرائع سے حاصل کرو، پھر اسے پاک رکھو۔ حلال اور پاکیزہ غذا کی قرآن میں اتنی اہمیت ہے کہ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ اے پیغمبرو! (آپ اور آپ کی امتیں) پاکیزہ چیزیں کھائیں اور نیک کام کریں۔ انبیاؑ کو مخاطب کر کے حکم دیا جا رہا ہے کہ غذا صرف حلال ہی نہیں پاکیزہ بھی ہو۔ حلال میں کوئی ناپاکی نہ مل جائے۔ ایسی غذا تمہیں نیک اعمال کرنے میں مددگار ہوگی۔ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے انسان کی غذا بہترین بنائی اور اسے پاکیزہ غذا کی رغبت بھی عطا فرمائی۔ جتنی چیزیں انسانی وجود کے لیے مضر تھیں انہیں حرام قرار دے دیا۔ جتنی غذائیں انسانی وجود کے لیے نفع بخش تھیں انہیں حلال قرار دے دیا۔ اور ان ہی پر انسانی وجود کی تعمیر کی بنیاد رکھ دی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں بیماری میں کسی قدر شراب پلا دی جائے تو شفا ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ شراب حرام ہے اور حرام میں کوئی شفا نہیں۔ اگر شفا ہوتی تو اللہ اسے حرام کیوں قرار دیتے؟ جو چیز اللہ نے حرام کی ہے اس میں قطعاً کوئی شفا نہیں۔ زمین پر جہاں ناپاک پانی کھڑا ہو تو ہے تو پانی ہی لیکن اس میں غلاظتیں ہیں، اس میں بدبو ہے، اس کا رنگ خراب ہے لہٰذا اللہ نے اس سے منع فرما دیا کہ اسے مت پیو۔ دوسری جگہ صاف شفاف پانی جاری ہے، ذائقہ بھی اچھا اور پاک ہے۔ اسے پینے کی اجازت دے دی۔ اگر کوئی شخص ناپاک پانی پی لے جس سے اللہ نے روکا ہے تو کیا بیمار نہیں ہو جائے گا؟ اسی طرح اعمال و کردار میں جو چیزیں حرام ہیں، ان اعمال کے کرنے سے روح کی صحت پر وہی اثر پڑتا ہے جو ناپاک پانی پینے سے بدن کی صحت پر پڑتا ہے۔

بلاشبہ اللہ کریم ہیں۔ اپنی قدرت، اپنی صناعی سے اپنی مخلوق کی ہر آن بہتری چاہتے ہیں۔ بہترین سہولتیں عطا کرتے ہیں۔ فرمایا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۔۔۔ ان اوصاف کا مالک ہے اللہ جو تمہارا پالنہار ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ سو بہت برکت والا ہے اللہ جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہ صرف تمہیں ہی نہیں پال رہا، تمام جہانوں کی تمام مخلوقات کو پال رہا ہے۔ هُوَ الْحَيُّ ۔۔۔ وہ ذاتی طور پر زندہ اور قائم ہے۔ باقی سب کی زندگی مستعار ہے۔ جس کو جتنی مہلت دی ہے اتنا وہ زندہ رہتا ہے مہلت ختم ہو جائے تو موت آجاتی

ہے۔تمام اشیاء وقتِ مقررہ پر فنا ہو جاتی ہیں۔ پہاڑ گر جاتے ہیں، دریا سوکھ جاتے ہیں، سمندر خشک ہو جاتے ہیں۔ سورج، چاند ستارے اپنے مقررہ اور متعین وقت پر جھڑ جائیں گے۔آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔قائم رہنے والی ہستی ایک واحد ولاشریک کی ہے جو ذاتی طور پر زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔اس لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔۔۔اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اللہ کے علاوہ سب کچھ فانی ہے۔ فانی اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔صرف اللہ واحد ولاشریک کی عبادت ہوگی کوئی دوسرا اس کا استحقاق نہیں رکھتا لہٰذا: فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔۔۔تم سب خالص اعتقاد کے ساتھ اسی کو پکارا کرو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، سب سے پہلے اپنا عقیدہ خالص کرو۔عقائد صاف ستھرے کھرے ہوں۔ اپنی ساری امیدیں اس ذاتِ بے ہمتا سے وابستہ کرو۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے نبیؐ پر، اس کی کتاب پر، آخرت پر، ضروریاتِ دین پر ایمان لاؤ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی پوچھو کہ احکامِ الٰہی کس طرح پورے کرنے ہیں کہ یہ منصب جلیلہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اسی لیے تشریف لائے ہیں کہ نوعِ انسانی کو بتائیں کہ کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۶۵﴾ تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔سارے کمالات، ساری خوبیاں، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا ربّ ہے۔

فرمایا، کسی کافر کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ۔۔۔اے میرے حبیب! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بتا دیجیے کہ میرے اللہ نے مجھے ان خرافات سے منع فرما دیا ہے۔اللہ کی ذات کو چھوڑ کر جو تم دوسروں کی بارگاہ میں سجدہ ریزہ ہوتے ہو، جن کو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو، مجھے اللہ نے اس سے روک دیا ہے۔میرے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلائل آ چکے۔اللہ کی کتاب نازل ہو چکی، احکامِ الٰہی نازل ہو چکے۔دونوں جہانوں کے حقائق اللہ نے واضح کر دیے۔وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۶۶﴾ اور مجھے یہ حکم ہے کہ میں جہانوں کے پروردگار کا فرماں بردار رہوں۔اس کی عظمت تسلیم کروں، اس کا اطاعت گزار، عبادت گزار رہوں۔

ناعاقبت اندیشو! اتنے دلائل کے بعد پھر میں تمہاری بات سنوں گا؟ تمہاری حیثیت کیا ہے کہ اللہ کے مقابلے پر تمہاری بات مانی جائے! تمہاری حیثیت تو یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی کے ذرات سے بنایا۔تم بڑے فخر و غرور میں یہ کہتے ہو کہ تم بادشاہ ہو، جرنیل ہو، حکمران ہو حالانکہ تم تو بس ایک مشتِ غبار ہو۔

تخلیقِ انسانی کے مراحل:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ ۔۔۔اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔تمہاری اصل، اساس یہ ہے کہ تم مٹی کے چند ذرات ہو۔وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے مٹی کے ہر ذرے میں جہان آباد کر رکھا ہے۔ ہر ذرے میں کروڑوں ایٹم ہیں۔ ہر ایٹم میں حیات ہے ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ۔۔۔اس نے ذرّوں سے خاص ایٹم چُن کر انہیں نطفے کی شکل دے دی اسی طرح کے انہی ذرّوں سے کہیں پھل بنایا، کہیں غلّہ، کہیں گھاس جسے جانوروں نے چرا، پھر ان کا گوشت اور دودھ تمہاری غذا بنے۔ اتنے پیچیدہ راستوں سے گزار کر ان ذرّات کو تمہاری پشت میں پہنچا کر نطفہ بنا دیا۔ پھر نطفہ کو شکمِ مادر میں پہنچایا۔ نطفے سے خون کی پھٹکی بنی۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ۔۔۔وہ چند دنوں میں گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہوگئی۔ دن گزرتے رہے اس میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ اس میں ہڈیاں بنیں پھر چہرہ، آنکھ ناک، منہ کان، دماغ، ہاتھ پاؤں سارا وجود بنا۔ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ۔۔۔پھر تم ایک بچے کے روپ میں دنیا میں آ گئے۔ اس سارے عمل سے گزار کر اس نے تمہیں بنایا۔ یہ ہے تمہاری اصل اور تم اس کی بارگاہ میں اکڑتے ہو جس نے تمہیں تخلیق کے مراحل سے گزار کر انسان بنایا۔ جب تم بچے تھے تو اپنے اوپر سے مکھی بھی نہیں ہٹا سکتے تھے۔ سوائے رونے کے کچھ بتا نہیں سکتے تھے۔ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۔۔۔پھر اس نے تمہیں بچے سے کڑیل جوان بنا دیا۔ جوانی کی بھرپور طاقتیں عطا کیں۔ عقل و شعور اور استعداد و قابلیت دی۔ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۔۔۔پھر اس کڑیل جوان کو بوڑھا بنا دیا۔

ہے کوئی تمہارا اختیار کہ اس کو کسی جگہ روک دو۔ ہمیشہ جوان ہی رہو، جوانی سے بوڑھے نہ ہو۔ نہیں۔ تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں۔ یہ اس کا اپنا نظام ہے۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ پھر اس نے ہر ایک کے لیے وقتِ رخصت مقرر کر دیا۔ کوئی بچپن میں مر جاتا ہے، کوئی جوانی میں، کوئی ادھیڑ عمری میں۔ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ اور تا کہ تم (اپنے) وقتِ مقررہ کو پہنچ جاؤ اور تا کہ تم سمجھو۔

کیا ان میں سے کسی کام کو تم روک سکتے ہو؟ کوئی بچہ یا کوئی جوان مرنے سے انکار کر سکتا ہے؟ کوئی جوان بوڑھا ہونے سے انکار کر سکتا ہے تو پھر تم بزعم خود کیا ہو جو اپنی ہی منوانا چاہتے ہو۔ یہ سب کچھ ایک آخری نتیجے پر پہنچانے کے لیے ہے۔ تم سب کو مرنا ہے۔ اپنے اپنے مقررہ وقت پر سب کو دنیا سے جانا ہے۔ تم سب کو واپس میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اپنی زندگی کا حساب دینا ہے تم جب تخلیق و پرورش کے کسی عمل کو نہیں روک سکے تو مرنے اور مرنے کے بعد کے عمل کو کیسے روک سکو گے۔ اللہ کریم نے کتنی باریکی میں جا کر بحث کی ہے، حقیقتیں کھول کر رکھ دی ہیں

تا کہ تم بات کو سمجھ لو اور بات کے مقصد کو پالو۔

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۔۔۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ پھر جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

وہ ایسی قادر ہستی ہے کہ جب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے صرف حکم دیتا ہے: ہو جا! تو وہ ہو جاتی ہے۔ انسانوں کے ماضی حال مستقبل ہیں۔ ہماری کئی چیزیں ماضی میں چلی گئیں، کچھ سامنے ہیں اور کچھ آنے والے زمانے میں ہوں گی۔ اللہ کا علم ذاتی اور حضوری ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے ہمہ وقت ہے۔ جو چیز مستقبل میں ہے ہمارے لیے اس کا وجود ہی نہیں لیکن اللہ کے علم میں ہے۔ جب کسی بات کا فیصلہ ہوتا ہے تو اس شے کا بظاہر وجود نہیں ہے لیکن علم الٰہی میں موجود ہے۔ اُسی کو کہا جاتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ کی ساری مخلوق عدم میں بھی اس کے سامنے ہے۔ اللہ کے ہاں کچھ دیر نہیں لگتی صرف حکم ہوتا ہے۔ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

سورۃ المومن رکوع 8 آیات 69 تا 78

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۟ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِى الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ﴿۶۹﴾ جن لوگوں نے کتاب (قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا سو ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا ﴿۷۰﴾ جب طوق ان کے گردنوں میں ہوں گے اور زنجیروں میں گھسیٹے جائیں گے ﴿۷۱﴾

کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے ﴿۷۲﴾ پھر ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کوتم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے تھے ﴿۷۳﴾ اللہ کے سوا۔ کہیں گے وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے اللہ اِسی طرح کافروں کو غلطی میں ڈالے رکھتے ہیں ﴿۷۴﴾ یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور جوتم اترایا کرتے تھے ﴿۷۵﴾ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اُسی میں رہو گے پس تکبر کرنے والوں کا کیا بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۷۶﴾ تو آپ صبر کریں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر اگر ہم آپ کو اس (عذاب) میں سے دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا آپ کی مدتِ حیات پوری کر دیں سوان کو ہمارے پاس ہی آنا ہوگا ﴿۷۷﴾ اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں سے کچھ کے حالات تو آپ سے بیان کر دیے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ جن کے حالات آپ سے بیان نہیں فرمائے اور کوئی پیغمبر اللہ کی اجازت کے بغیر معجزہ پیش نہیں کرسکتا تھا پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اہلِ باطل وہاں خسارہ میں رہ گئے ﴿۷۸﴾

تفسیر و معارف

آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرنے والوں کا انجام:

فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔

انسان کا وقت تو گزرتا رہتا ہے لیکن کفر ایسی مصیبت ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو بھی بے سکون رکھتا ہے۔ جو آج یہ کہتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں۔ اس میں راہنمائی نہیں تو پھر اس کی زندگی بے چین و بے سکون ہی گزرتی ہے کیونکہ قرآن کے علاوہ صحیح نظامِ زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ایسا شخص یقیناً بھٹکتا ہی رہے گا۔ جو لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں وہ محض کج بحثی کرتے ہیں۔ بغیر نقلی اور عقلی دلیل کے بات کرتے ہیں۔ نقلی دلیل وہ بات ہے جو سابقہ کتبِ الٰہی سے نقل در نقل آ رہی ہو اور قرآنِ حکیم میں بھی موجود ہو۔ عقلی دلیل وہ ہے کہ جسے فہم سلیم قبول کرے۔ عقل

درست اور فہم سلیم ہو تو ہی وہ اس دلیل کو قبول کرے گا فرمایا، یہ ایسے لوگ ہیں کہ بغیر عقلی اور نقلی دلیل کے اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں یہ کہاں بھٹک رہے ہیں؟ دنیا میں بے سکونی کی زندگی گزارتے ہیں اور اُخروی انجام بہت بھیانک ہوگا۔

فرمایا: الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

جن لوگوں نے کتاب (قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا۔ سو ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

کتابِ الٰہی کا انکار اور پیغمبروں کی عظمت کا انکار کوئی معمولی جرم نہیں۔ عنقریب ان پر یہ واضح ہو جائے گا، یہ جان لیں گے کہ انہوں نے کیا، کیا؟ اور اس کا نتیجہ کیا ہے۔ قرآن کا ایک اصول ہے۔ اللہ کریم جس سمت بلاتے ہیں اس سمت چلنے والا اپنا نبی علیہ السلام بھی بطور رول ماڈل، مثالِ حسنہ مبعوث فرماتے ہیں۔ نبیؑ سے گناہ کا، غلطی کا تصور ممکن نہیں۔ انبیاءؑ صرف دعوت ہی نہیں دیتے، انبیاءؑ سراپا عمل بھی ہوتے ہیں۔ انبیاءؑ کسی کو کہتے ہیں کہ صلوٰۃ فرض ہے تو پہلے خود صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ کسی کو بتاتے ہیں کہ روزہ فرض ہے تو خود روزہ رکھتے ہیں۔ دوسروں کو بتاتے ہیں کہ یہ کام جائز ہے اور یہ ناجائز تو سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں آج سب سے زیادہ جو کام ہو رہا ہے وہ تبلیغ کا کام ہے اور سب سے زیادہ جو کمی ہے وہ دین پر عمل میں ہے یہ اس لیے ہے کہ ہم مبلغین کا دین پر عمل نہیں ہے۔ اکثریت خریدے ہوئے لوگ ہیں جن کا مقصد دین پہنچانا نہیں، دین کو ذریعۂ آمدن بنانا ہوتا ہے۔ جب مبلغین کا کردار یہ ہے تو سننے والوں میں تبدیلی کیا آئے؟

اب تو رمضان المبارک کا تقدس بھی پامال ہو رہا ہے۔ رمضان المبارک، اللہ کے حضور عاجزی، نیازمندی پیش کرنے کا مہینہ ہے۔ اللہ سے دعائیں مانگنے کا، اللہ کی عبادت کرنے کا مہینہ ہے جسے میڈیا نے میلا ٹھیلا بنا دیا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، جو لوگ اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہیں اور اس دعوت کا انکار کرتے ہیں جو ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے تو پھر بہت جلد حقائق ان کے سامنے آ جائیں گے۔ انکار کے دو درجے ہیں۔ ایک ہے ماننے سے انکار کر دینا۔ یہ کفر ہے۔ اس کا علاج کوئی نہیں سوائے توبہ کے، وہ بھی غرغرۂ موت سے پہلے پہلے کی توبہ۔ دوسرا درجہ ہے کہ بندہ زبان سے کہے کہ وہ مانتا ہے لیکن عمل نہ کرے تو یہ بھی انکار کی ایک صورت ہے۔ یہ مانے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ حق ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر عمل نہ کرے تو ایک طرح سے نہ ماننے والی بات ہے۔ اللہ اس سے پناہ دے۔ زندگی لمحات میں ختم ہو رہی ہے۔ جس طرح مٹھی سے ریت گرتی ہے اسی طرح وقت ہمارے ہاتھ سے

نکلا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کب زندگی کا چراغ گُل ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ توبہ کا وقت ختم ہو جائے، ہمیں توبہ کر لینی چاہیے۔ ہمیں اللہ کی نافرمانی سے باز آ جانا چاہیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اپنا لینا چاہیے۔

جو لوگ ایسا نہیں کرتے انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اللہ کریم ہمارا خالق و مالک ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا، جوانی دی، عقل و شعور دیا۔ اپنا احسانِ عظیم فرمایا کہ اپنے بندے، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ وہ اللہ جس نے تم پر اتنے احسان کیے، وہ تمہیں فرما رہا ہے کہ زندگی اس طرح گزارو۔ یہ کام کرو اور یہ نہ کرو۔ اب اس کے بعد جو پروا نہیں کرتا تو اس کا کیا علاج؟ جب اس کی زندگی ختم ہوگی تو پھر پتا چلے گا! فرمایا: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ﴿۷۱﴾

جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیروں میں گھسیٹے جائیں گے۔ ان کا کیا استقبال ہوگا! گلے میں دوزخ کے طوق ڈالے جائیں گے، دوزخ کی زنجیروں میں باندھ کر کھولتے ہوئے پانی میں لائے جائیں گے اور گھسیٹتے ہوئے انہیں دوزخ کے شعلوں میں پھینک دیا جائے گا۔ فِی الْحَمِیْمِ ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ﴿۷۲﴾ ہر انسان دنیا میں اپنے سے پہلے والوں کی مان کر چلتا ہے۔ کسی نہ کسی کا اتباع کرتا ہے۔ دنیا میں جو بھی آتا ہے، سب کچھ سیکھ کر نہیں آتا۔ آ کر سیکھتا ہے۔ کسی نہ کسی کو اپنا لیڈر، پیشوا اور راہنما بنا لیتا ہے۔ اسی کے پیچھے چلتا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے انبیاؑ بھیجے جو اپنے اپنے وقت میں انسانیت کی راہنمائی فرماتے رہے۔ آخر میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جو ساری انسانیت کی راہنمائی لیے ہوئے ہیں۔ سب کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن چھوڑا، جس نے دولت کو پوجا، خواہشات کی پرستش کی، کسی بت کو سجدے کیے تو دنیا میں جس جس کو پوجتے رہے ہو، جن کے پیچھے تم نے عمریں ضائع کر دیں، کہاں ہیں وہ؟ اب وہ تمہاری مدد کو آئیں! فرمایا: ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴿۷۳﴾ پھر ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے تھے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔ اللہ کے سوا۔ پوچھا جائے گا کہ اللہ کا در چھوڑ کر تم نے جن سے امیدیں وابستہ کیں وہ اب کہاں ہیں، کیوں تمہاری مدد کو نہیں آتے؟ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْــًٔا۔۔۔ وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے۔ اس وقت کہیں گے، ہم سے تو ہر شے جاتی رہی۔ اب تو ایسا لگ رہا ہے کہ جن کو ہم پوجتے تھے گویا ان کا وجود ہی نہیں تھا۔ وہ تھے ہی نہیں۔ محض تصوراتی خدا تھے۔ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ﴿۷۴﴾ اللہ اسی طرح کافروں کو غلطی میں ڈالے رکھتے ہیں۔

کفر کی دنیوی سزا:

کفر کی دنیوی سزا یہ ہے کہ اللہ کریم اسے بے کار اور لاشئے محض میں پھنسا دیتے ہیں۔ جس نے لغو کاموں کو پسند کیا، دینِ حق کو جھٹلایا تو وہ اسی گمراہی میں پھنسا رہتا ہے۔ جو اللہ کریم کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دینِ حق کا انکار کرتا ہے پھر اس کی دنیوی سزا یہ ہوتی ہے کہ اسے ہدایت کا راستہ پسند ہی نہیں آتا۔ حق بات اسے اچھی نہیں لگتی۔ یہ اُسے اللہ کی طرف سے دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔ آخرت کا عذاب الگ ہے۔

ناحق خوشیاں منانا:

فرمایا: ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ﴿٧٥﴾ یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور جو تم اترایا کرتے تھے۔

یہاں دو باتوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک یہ کہ یہ عذاب ناجائز لذتوں کا بدلہ ہے اور دوسرا یہ کہ مال و دولت کے نشے میں اللہ کو بھلا کر گناہوں میں خوش ہونے کا نتیجہ ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم زمین میں اچھلتے کودتے، جشن مناتے تھے اور تمہیں یاد ہی نہیں تھا کہ اللہ کا حکم کیا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہے۔ تمہیں تو محض عیش و عشرت سے غرض تھی۔ تم ناحق اور ناجائز طریقے پر خوشی مناتے تھے۔

دینِ اسلام میں خوشی منانا منع نہیں ہے۔ دین کے دائرے میں رہ کر منانے کی شرط ہے۔ اللہ کریم نے سال میں دو عیدیں مقرر کر دی ہیں۔ دونوں خوشی منانے کے دن ہیں۔ عید الفطر، رمضان کے روزے پورے کرنے کی خوشی میں منائی جاتی ہے کہ خوشی مناؤ، اللہ کی عظمت بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی، اللہ کے حضور دوگانہ پڑھو۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرو۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو یاد کرو۔

وطن عزیز میں کیا ہوتا ہے؟ بندروں کی طرح اچھل کود، ہندوؤں کی طرح ایک دوسرے پر رنگ پھینکنا، طنزیہ جملے اور بھونڈے مذاق۔ پھر حد یہ کہ دینی محافل کو بھی اسی رنگ میں رنگ دینا۔ یہ سب کفر کی سازش ہے۔ کافروں نے بہکا دیا ہے کہ دینی محافل کو، عیدین کو، رمضان کو جشن اور میلے ٹھیلے میں تبدیل کیا جائے اور ایسا کرنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

دنیا میں ان کو اپنی اَنا عزیز تھی۔ اللہ کی بات ماننا ان کی شان کے خلاف تھا تو فرمایا گیا: اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴿٧٦﴾ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اسی میں رہو گے پس تکبر کرنے والوں کو کیا برا ٹھکانہ ہے۔ کفر، تکبر کی بدترین قسم ہے۔ تکبر میں مبتلا شخص من مانی کرتا ہے ہر بات میں کہتا ہے، جو میں کہتا ہوں وہ ٹھیک ہے۔ یہ 'میں' لے ڈوبتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کاموں سے شروع ہوتی ہے۔ بندہ

کہتا ہے، میں کہتا ہوں ایسا کرو، یا، میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا! ان باتوں سے 'میں' شروع ہوتی ہے پھر بات بڑھتی جاتی ہے اور کفر تک لے جاتی ہے۔ متکبر کو اپنی بڑائی کا گمان ہوتا ہے جو حقیقت میں ہوتی ہی نہیں۔ بندہ تو ہر لحظہ اللہ کا محتاج ہے۔ دل کی ایک ایک دھڑکن کے لیے۔ سانس کے آنے جانے کے لیے، ہر حرکت کے لیے اللہ کا محتاج ہے۔ جو لوگ تکبر کرتے ہیں اور دین کے مقابلے میں اکڑتے تھے، ان کا کیا بُرا ٹھکانہ ہے، کیا بُری جگہ ہے جہاں وہ پہنچے ہیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴿۷۷﴾ تو آپ صبر کریں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر اگر ہم آپ کو کچھ اس (عذاب) میں سے دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا آپ کی مدتِ حیات پوری کر دیں تو ان کو ہمارے پاس ہی آنا ہوگا۔

فرمایا، اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صبر کیجیے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ حق کو غلبہ لازم ہے۔ کفر کے لیے سدا ضلالت ہے۔ اللہ کے وعدے تو پورے ہونے ہیں۔ ہوسکتا ہے بعض آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ مبارکہ میں پورے ہو جائیں۔ کفر پر کافروں کی جو سزا ہے وہ واقع ہو جائے۔ اللہ انہیں ذلیل و رسوا کر دے۔ ان پر اپنے وعدے پورے کر دے۔ بہت سے وعدے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دُنیوی میں پورے ہوئے۔ غزوۂ بدر میں شکست، کفر کے لیے کتنی بڑی ذلت تھی! احد میں میدان چھوڑ کر بھاگنا، خندق کی شکست، مکہ کا فتح ہو جانا ان کے لیے کتنی رسوائی کا باعث تھا۔

بے شک اللہ کے وعدے سچ ہیں بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیوی میں پورے ہو جائیں گے، بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد پورے ہو جائیں گے۔ انجامِ کار تو سب کو اللہ کے پاس ہی واپس پہنچنا ہے۔ اگر کسی کافر کی زندگی کی مہلت اللہ نے بڑھا دی اور اسے دنیا کا عذاب نہ دیا پھر بھی کافر انجامِ کار کہاں جائے گا؟ بہر طور اسے واپس اللہ کی بارگاہ میں ہی آنا ہے!

مومن کو باتباع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا جا رہا ہے کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والو! برداشت کرو، حوصلے سے برداشت کرو، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کے قبضۂ قدرت سے کچھ بھی باہر نہیں۔ اللہ کریم انہیں مہلت دے رہے ہیں۔ تم حوصلے اور صبر سے کام لو۔ نیکی کو پھیلاؤ، برائی کو مٹانے کی جدوجہد جاری رکھو۔ بندۂ مومن کے لیے استقامتِ دین بہت بڑا صبر ہے۔

صبر کیجیے، وقتِ معین پر سب کا حساب ہوگا۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولؑ دنیا میں بھیجے گئے۔ اپنے

اپنے وقت پر سب اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔منکرین نے ہمیشہ تکبر ہی کیا۔

فرمایا: وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ۔۔۔اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے پیغمبرؑ بھیجے۔ان میں سے کچھ کے حالات تو آپ سے بیان کردیے اور کچھ ایسے ہیں کہ جن کے حالات آپ سے بیان نہیں فرمائے۔

قرآنِ حکیم میں دین کو سمجھانے کے لیے جہاں ضرورت سمجھی گئی اللہ کریم نے اپنے انبیاؑ کا تذکرہ فرمایا۔ جہاں ضرورت نہیں سمجھی گئی وہاں تذکرہ نہیں فرمایا لیکن ہر نبیؑ اللہ ہی کی بات پہنچاتے رہے۔فرمایا: وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۔۔۔اور کوئی پیغمبر اللہ کی اجازت کے بغیر معجزہ پیش نہیں کرسکتا تھا۔

فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَـقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ۝۷۸ پھر جب اللہ کا حکم آپہنچا تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا گیا اور اہلِ باطل خسارہ میں رہ گئے۔فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کا نبیؑ،اس کا فرستادہ اور مقرر کیا گیا ہوتا ہے۔جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی قوت سے وہ معجزہ پیش کرتا ہے وہ لوگوں کی فرمائشوں کا نہیں اللہ کے حکم کا پابند ہوتا ہے۔ایسا نہیں کہ لوگوں نے کہا اور وہ کرنے بیٹھ گیا۔ہر نبیؑ اللہ کے حکم پر معجزہ پیش کرتا ہے اور جو من جانب اللہ ہوتا ہے وہ پیش کرتا ہے۔

اہلِ باطل خسارے میں چلے گئے:

حشر میں فیصلہ حق کے ساتھ ہوگا،انصاف کے ساتھ ہوگا۔ہر ایک کے ساتھ عدل ہوگا۔کافر کے ساتھ بھی انصاف ہوگا،زیادتی نہیں ہوگی۔جہنم کے جو دکھ ہیں،جو سزائیں ہیں،عذاب ہیں یہ سب اس کے اپنے کردار کا نتیجہ ہیں۔اللہ نے اپنے نبیؑ بھیج کر دنیا میں ہی بتادیا تھا کہ ان کا اتباع کرو۔اور میری نافرمانی نہ کرو۔نافرمانی کا نتیجہ عذاب ہے۔جنت کے انعامات بھی انسانی کردار کا نتیجہ ہیں۔بتادیا گیا تھا کہ انبیا علیہ السلام کا اتباع کروگے تو جنت کے انعامات پاؤ گے۔کفر اور برائی کروگے تو دوزخ کی سزائیں پاؤ گے۔ہر فعل کا بدلہ ملے گا۔لیکن افسوس! کہ اہلِ باطل خسارے میں،نقصان میں رہ گئے،کتنی قیمتی زندگی ملی تھی،کتنا اعلیٰ دماغ تھا،کتنا قیمتی دل دیا تھا،سوچنے سمجھنے کا شعور ملا تھا،کتنے قیمتی ارشادات نازل کیے تھے،کتنے انبیا و رسل علیھم السلام مبعوث فرمائے تھے۔کسی سے فائدہ حاصل نہ کیا اور بہت بڑے نقصان میں چلے گئے۔

سورۃ المومن رکوع 9 آیات 79 تا 85

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ
فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ
تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ
مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ
الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ
اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ
هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے چار پائے بنائے تا کہ ان میں سے بعض پر سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو ﴿۷۹﴾ اور ان میں تمہارے لیے (اور بھی) فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ تمہارے دلوں میں کوئی حاجت (کہیں جانے کی) ہو تو ان پر سوار ہو کر پہنچ جاؤ اور ان پر اور بحری سواریوں پر تم سوار ہوتے ہو ﴿۸۰﴾ اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے رہتے ہیں تو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے ﴿۸۱﴾ کیا ان لوگوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت میں (بھی ان سے) زیادہ بڑھ

کرتے تھے اور زمین میں نشانات لگانے میں (بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے) تو جو کچھ وہ کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا ﴿۸۲﴾ پس جب ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ اپنے (دنیا کے) علم پر ناز کرتے رہے جو ان کے پاس تھا اور جس چیز کا مذاق اڑایا کرتے تھے اس چیز نے ان کو آ گھیرا ﴿۸۳﴾ پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک کرتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں ﴿۸۴﴾ سو ان کو ان کے اس ایمان نے کوئی فائدہ نہ دیا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ کا یہی طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے ﴿۸۵﴾

تفسیر و معارف

اللہ کی نشانیاں:

فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝۷۹ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے چارپائے بنائے تا کہ ان میں سے بعض پر سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو۔

اپنی نشانیوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے تمہیں شرفِ انسانیت سے نوازا۔ انسان ہونے کے ناطے اپنی باقی ساری مخلوق کو تمہارا خدمت گار بنا دیا۔ جانور پیدا کیے، کسی پر تم سواری کرتے ہو، کسی کا گوشت کھاتے ہو۔ وہ بھی تو مخلوق ہیں۔ غور کا مقام ہے، کیا انہیں اللہ نے پیدا نہیں کیا، کیا ان کے پاس جینے کا حق نہیں ہے لیکن اس نے انہیں تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ تم ان کی کھال سے استعمال کی اشیا بناتے ہو۔ دودھ اور گوشت بطور غذا استعمال کرتے ہو۔ سوچو! جو جانور اللہ کے نام پر ذبح ہو گیا گویا اس نے اپنا مقصدِ حیات پا لیا کہ وہ بنا ہی اسی لیے تھا کہ تمہارے استعمال آتا پھر ذرا غور کرو کہ تم کس لیے بنائے گئے تھے!

یہ تم پر اللہ کا احسان ہے: وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ۝۸۰ اور ان میں تمہارے لیے (اور بھی) فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ تمہارے دلوں میں کوئی حاجت (کہیں جانے کی) ہو تو ان پر سوار ہو کر پہنچ جاؤ۔ اور ان پر اور بحری سواریوں پر تم سوار ہوتے ہو۔

فرمایا، میں نے اپنی مخلوق تمہارے لیے حلال کر دی ہے۔ تم اسے استعمال کرتے ہو۔ اس کی تجارت کرتے ہو۔ خریدتے، بیچتے ہو جبکہ تم بھی مخلوق ہو، یہ بھی مخلوق ہیں۔ ان پر غلبہ تمہیں کس نے دے دیا؟ اللہ نے! اس نے تمہیں اپنی مخلوق پر تصرف بخشا کہ تم سواری کرو اور دیگر ضروریات پوری کرو۔ مزید براں تمہیں پانی اور پانی پر چلنے والی کشتیوں اور جہازوں پر تصرف بخشا تو غور کرو کس نے دریا اور سمندر بنائے، کس نے بارش برسا کر پانی کے ذخیرے بنائے، کس نے وہ مادہ بنایا جس سے تم بحری جہاز اور دیگر سواریاں بناتے ہو، کس نے تمہیں عقل و شعور دیا، صنعت وحرفت کی استعداد کس نے دی کہ تم جہاز بنا کر سمندروں کے سینے چیر جاتے ہو؟

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے رہتے ہیں تو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے۔ تم کسی غلط فہمی میں نہ رہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کریں گے تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، فرق پڑے گا!

دنیا میں اللہ کی اطاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کرنے والا کبھی سکون کا سانس نہیں لے سکتا۔ دنیا میں وہ بادشاہ وصاحبِ اقتدار ہو سکتا ہے، دولت مند ہو سکتا ہے لیکن پُرسکون نہیں ہو سکتا۔ دل جلتا رہتا ہے اور دماغ کھولتا رہتا ہے۔ کسی کل قرار نہیں آتا۔ جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں، اسی انجام کو پہنچتے ہیں۔ اللہ کی ہر تخلیق اس کی عظمت کی نشانی ہے تو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے۔

فرمایا: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ کیا ان لوگوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت میں (بھی ان سے) زیادہ بڑھ کر تھے اور زمین میں نشانات لگانے میں (بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے) تو جو کچھ وہ کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا۔

تم لوگ روئے زمین پر پھرتے ہو۔ کاروبار کرتے ہو، تجارت کرتے ہو، سیر کو جاتے ہو کیا تم راستوں میں اجڑی بستیاں، ویران شہر، تباہ شدہ گاؤں نہیں دیکھتے؟ کیا یہ تمہیں زبان حال سے نہیں بتاتے کہ جن لوگوں نے انبیاؑ کا انکار کیا ان کا کیا حشر ہوا؟ وہ لوگ تم سے زیادہ طاقتور اور زیادہ دانشور تھے۔ قومِ نوح کے حالات پڑھیں تو وہ سائنس میں اس مقام پر تھے جہاں آج کے عہد کے سائنسدان بھی نہیں پہنچے۔ عاد وثمود کے آثار دیکھیں، انہوں نے چٹانیں کاٹ کر جو مکان بنائے آج کی جدید مشینوں سے اس صفائی سے چٹانیں نہیں کاٹی جاسکتیں۔ افرادی قوت میں بھی وہ

بہت بڑھے ہوئے تھے۔ طاقت وقوت اور ڈیل ڈول میں بہت مضبوط تھے۔ دولت وطاقت میں، صنعت وحرفت میں تم سے زیادہ تھے لیکن انبیاؑ کی نافرمانی انہیں لے ڈوبی۔ انبیاؑ کی نافرمانی ایسی خطرناک بات ہے کہ ان کا کوئی ہنر، کوئی ایجاد، وسائل وذرائع کوئی قوت وطاقت انہیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکی۔ جب تباہی آئی تو بالکل ہی نابود ہو گئے۔ قصہ ٔ پارینہ ہو گئے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾ پس جب ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ اپنے (دنیا کے) علم پر ناز کرتے رہے جو ان کے پاس تھا اور جس چیز کا مذاق اڑایا کرتے تھے اس چیز نے ان کو آگھیرا۔

جب اللہ کے نبیؑ روشن دلیلیں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے، ہم تو خود دانا ہیں۔ ہم تعلیم یافتہ ہیں، ماہرِ علم وفن ہیں۔ ہمارے پاس ٹیکنالوجی ہے۔ ہم حکومتیں بناتے ہیں، حکمران بناتے ہیں، نظام بناتے ہیں۔ عوام کے لیے قانون بناتے ہیں۔ عوام کو ان پر کاربند کرتے ہیں۔ ہمیں خود اتنا علم ہے تو ہمیں انبیاؑ کی تعلیم کی کیا ضرورت ہے؟

انبیاؑ نے سمجھایا کہ یہ علم وشعور، یہ سوچ وفکر، یہ سب تمہیں اللہ نے دیا ہے اس کی عظمت کا اقرار کرو اور جو نعمتیں تمہیں دی ہیں اس کی اطاعت میں صرف کرو۔ اس کی نافرمانی میں صرف نہ کرو۔ لیکن انہوں نے انبیاؑ کی بات ٹھکرادی۔

انبیاؑ کی بات ٹھکرانا ہی کفر کی بنیاد ہے۔ آج بھی ہر کافر یہ سوچتا ہے کہ جو میں سوچتا ہوں وہی درست ہے جو نبیؑ نے کہا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے دلائل دے کر رسولؐ مبعوث فرمائے لیکن انہوں نے انبیاؑ کی تعلیم کا مذاق اڑایا۔ یہ مذاق بالآخر ان کے گلے پڑ گیا۔ دنیا میں بھی ذلت وخواری کے ساتھ تباہی سے بھی دوچار ہوئے اور آخرت میں بھی ابدی تباہی ان کے حصے میں آئی۔

وہی لوگ جو دنیا میں انکار پر مصر تھے۔ جو اپنے علوم پر ناز کرتے تھے، جو دنیوی مادّی علوم کے ماہر تھے لیکن آخرت سے غافل تھے، انہی پر جب آخرت کُھل گئی تو فوراً کفر وشرک سے بیزار ہو گئے۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک کرتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی جب آخرت سامنے آ گئی، اللہ کے عذاب دکھائی دینے لگے، موت کے فرشتے، دوزخ لے جانے والے ہیبت ناک شکلوں میں سامنے آ گئے تو پھر کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد ولاشریک کو مانتے ہیں اور جو کفر وشرک ہم کرتے رہے اس سے انکار کرتے ہیں۔

اللہ کی سنّت:

فرمایا: فَلَمۡ يَكُ يَنۡفَعُهُمۡ اِيۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ قَدۡ خَلَتۡ فِىۡ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ۝۸۵ سوان کو ان کے اس ایمان نے کوئی فائدہ نہ دیا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ کا یہی طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔

قانونِ الٰہی یہ ہے، سنّت اللہ یہ ہے، اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایمان وہی مقبول ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتانے پر لایا جائے ورنہ فرعون نے بھی جب ملک الموت کو دیکھ لیا تو کہنے لگا میں موسیٰ اور ہارون کے ربّ پر ایمان لاتا ہوں تو اللہ نے فرمادیا کہ تم اب ایمان لاتے ہو جب تم پر آخرت کھل گئی ہے۔ اب تو ماننے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ اب تمہارا ایمان لانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جب برزخ واضح ہو جائے، آخرت دکھائی دینے لگے، عذاب کھل کر سامنے آجائے تو کافر کا اس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ جب تک برزخ پوشیدہ ہے، اللہ کا نبیؐ خبر دے رہا ہے تو اس کو سچا مان کر ایمان لانا ٹھیک ہے۔ جب کافر خود دیکھ لے تو پھر کوئی فائدہ نہیں۔

علما فرماتے ہیں، ایمان اتنی بڑی دولت ہے کہ بندۂ مومن حالتِ نزع میں بھی گناہوں سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوجاتی ہے، سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ لیکن اس وقت کافر کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔ یعنی کفر سے ایمان لانا قبول نہیں ہوتا، گناہوں سے توبہ، اس وقت بھی قبول ہوجاتی ہے کیونکہ ایمان تو اس کے پاس پہلے سے ہوتا ہے۔ کتنا کریم ہے اللہ اور کتنے بدنصیب ہیں وہ جو دنیا کی مہلت میں اس کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے۔

اللہ کا یہی طریقہ ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے۔ ہر عہد کے لوگوں کے لیے اپنے اپنے نبیؐ پر ایمان لانا ضروری تھا۔ نبیؐ پر اعتبار کرنا ہی دین کی بنیاد تھی اور نبیؐ کا انکار ہی کفر تھا خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قیامت تک یہی قانون اور یہی طریقہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ حشر میں جائیں گے تو دیکھا جائے گا۔ یہ کہنا قطعاً درست نہیں۔ جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا تو سب کے دیکھنے سے زیادہ یقینی ہوگیا۔ اگر کوئی پوچھے کہ کس نے دیکھا؟ تو اسے بتاؤ اصدق الصادقین، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ اللہ کریم نے شبِ معراج برزخ دکھلادی۔ جنت و دوزخ کا معائنہ کروادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر، ارشاد فرمادینے پر اعتبار ہی ایمان ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ بچے کو یہ تصور دو، یہ سکھاؤ کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ منواتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، جنہوں نے

مدینہ منورہ ہجرت کی۔ جس اللہ کو جیسا وہ منواتے ہیں، میں اس اللہ کو ویسا مانتا ہوں۔ اپنی طرف سے، اپنی رائے، عقل سے ماننا، نہ ماننے کے برابر ہے۔ ہم نہیں جانتے اس کی ذات کیسی ہے، صفات کیسی ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا۔

یہی اللہ کی سُنّت ہے اور یہی اس کا قانون ہے جو شروع سے جاری ہے، چل رہا ہے۔ فرمایا: وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸۵ اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے۔ کفر خسارے اور نقصان کا باعث ہے۔ نقصان، کفر سے ہوتا ہے۔ کفر نہ کرے تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کفر کی کئی اقسام ہیں۔ اللہ کی ذات، اللہ کے نبیؑ، اللہ کے دین، اللہ کی کتاب کا انکار کفر ہے۔ ضروریاتِ دین کا انکار کفر کی شدید ترین قسم ہے۔ ناشکری کو بھی کفر کے مقابل بتایا گیا ہے۔ اللہ کے دین کو زبانی ماننا اور دین پر عمل چھوڑ دینا، ناشکری ہے۔ ایمان لا کر عمل کرنا شکر ہے اور ایمان لا کر عمل نہ کرنا ناشکری ہے۔ ناشکری کا راستہ بالآخر انکار پر منتج ہوتا ہے۔ ہر طرح کا کفر خسارے اور نقصان کا سبب ہے۔

اللہ کریم ہمیں توبہ کی توفیق دیں، ہماری توبہ قبول فرمائیں، نیک انجام سے دوچار کریں۔ آمین۔

سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 1 آیات 1 تا 8

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ
وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ
وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾

حٰمٓ ۔ (یہ کتاب اللہ) بہت بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے ﴿۲﴾ (ایسی) کتاب جس کی آیتیں واضح ہیں قرآن جو عربی (زبان) میں ہے ان لوگوں کے لیے ہے جو سمجھ رکھتے ہیں ﴿۳﴾ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا سو اکثر لوگوں نے (اس سے) رُوگردانی کی پس وہ سنتے ہی نہیں ﴿۴﴾ اور کہتے ہیں جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہو ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (بہراپن) ہے اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان پردہ ہے سو آپ اپنا کام کریں ہم اپنا کام کرتے ہیں ﴿۵﴾ فرما دیجیے بے شک مَیں بھی تمہاری طرح آدمی ہوں (ہاں) مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود معبودِ واحد ہے سو اس کی طرف سیدھے رہو اور اس سے بخشش چاہو اور شرک کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے ﴿۶﴾ جو زکوۃ ادا نہیں کرتے

اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں ﴿۷﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے
بلاشبہ ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا صِلہ ہے ﴿۸﴾

تفسیر و معارف

سورۃ حٰمٓ شروع ہوتی ہے یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ یہ تقریباً سات سورتیں ہیں جنہیں حوامیم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ یکے بعد دیگرے اکٹھی آتی ہیں۔ ان کے نام تو الگ الگ ہیں لیکن حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ اس سورت کے دو نام مشہور ہیں حٰمٓ فُصِّلَتْ اور حٰمٓ السجدہ۔

مکی سورتوں کی خصوصیت ہے کہ ان میں عقائد بیان ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں اسلام کی بنیاد بن رہی تھی، عقائدِ صحیحہ بیان ہو رہے تھے اس لیے کم وبیش تمام مکّی سورتیں ایمانیات پر مشتمل ہیں۔

حٰمٓ ① یہ حروف مقطعات ہیں اس کا مفہوم اللہ کریم کے علم میں ہے۔ اللہ کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مفہوم سے مطلع فرمایا۔ جب اللہ نے چاہا اہلِ علم کو جتنا چاہا بتایا۔ جنہیں ان کے مفاہیم بتائے ہیں وہ جانیں۔ عامۃ الناس کے لیے خوشخبری ہے کہ ان کی تلاوت کی جو کیفیات ہیں اور جو اجر و ثواب ہے وہ بھی ملتا ہے جو تبدیلی دل میں آنی چاہیے وہ بھی آتی ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② (یہ کتاب اللہ) بہت بڑے نہایت رحم کرنے والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس آیہء کریمہ میں اللہ جلّ شانہٗ کے دو صفاتی نام بیان ہوئے ہیں۔ الرحمٰن اور الرحیم دونوں کا مادّہ ایک ہے۔ دونوں رحمت سے مشتق ہیں لیکن دونوں میں رحمت کی اپنی اپنی کیفیات ہیں۔ عربی قاعدے کے مطابق الرحمٰن، عطشان اور غضبان کے وزن پر آتا ہے۔ عطشان یعنی انتہائی پیاسا، غضبان، بہت غصّے والا۔ دونوں کیفیات عارضی ہیں، دائمی نہیں۔ پیاسے کو پانی مل جائے تو پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ غصّے والے کا مداوا کر دیا جائے تو غصّہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے پہلے الرحمٰن استعمال ہوا فرمایا، یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے آئی ہے جس کی رحمت عام ہے۔ دنیا میں ہر کافر و بدکار اس کی رحمت سے مستفید ہو رہا ہے۔ جس طرح مومن کے اجزائے خاکی سے ذرات کی صورت میں غذا، دوا کا اہتمام ہوتا ہے اسی طرح کافر و منکر کی زندگی کی ضروریات بھی بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ ہر کافر کو جو رزق مل رہا ہے وہ ربّ کریم ہی دے رہا ہے۔ کافر پر دنیا کی کوئی نعمت روکی نہیں۔ سب اللہ رحمٰن و رحیم کی رحمتِ عامہ سے مستفید ہو رہے ہیں۔

ایک سوال:

بڑی توجہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آج کے دانش ور اور اہلِ علم کہلوانے والے اس سوال کو موضوعِ بحث بنائے ہوئے ہیں کہ اہلِ مغرب کے معاشرے بہت آسودہ حال ہیں۔ اگر چہ وہ کافر ہیں اور ہمارے معاشرے باوجود مسلمان ہونے کے ابتری کا شکار کیوں ہیں؟

اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ اسلام علاقے فتح نہیں کرتا دل فتح کر لیتا ہے۔ اسلام جہاں پہنچا وہاں اسلام کا نفاذ ہوا۔ مسلمان امانت، دیانت، صداقت کے نمونے تھے۔ انہیں دیکھ کر لوگ خود اسلام کو پسند کر کے مسلمان ہوتے گئے۔ چھٹی ساتویں صدی عیسوی، جب ظہورِ اسلام ہو رہا تھا تو یہ آج کے مغربی معاشرے اس وقت کہاں تھے؟ اس وقت کے انتہائی مغربی ممالک، امریکہ وغیرہ کو مورخ wild wild west لکھتا ہے۔ وحشی مغرب۔ یورپ کو مورخ غاروں اور جھگیوں میں رہنے والا لکھتا ہے۔ انہیں گھر تک بنانا نہیں آتے تھے تو تہذیب کہاں تھی؟

جب اسلام روئے زمین پر پھیلا تو اہلِ مغرب نے غور کیا کہ وہ زمینیں تو فتح کر سکتے ہیں، دل فتح نہیں کر سکتے۔ جیسے دورِ حاضر کی قریب ترین مثال روس کی ہے۔ وہ افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ اس کے علاقے فتح کر لیے۔ دلوں کو فتح نہ کر سکا۔ دس سال کی جنگ کے بعد زخموں سے چور، شکست خوردہ دریائے آمو کے پار چلا گیا۔ خود ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔ پھر افغانستان پر امریکہ قبضہ کرنے آیا۔ اسے یہاں دس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ زمین پر تو بیٹھا ہے دلوں کو فتح نہیں کر سکا۔ لوگ لڑ رہے ہیں، مر رہے ہیں۔ جب تک یہاں سے رخصت نہیں ہوتا، لوگ مرتے مارتے رہیں گے۔

اہلِ مغرب بھی اسی طرح حیران تھے کہ مسلمان افواج جہاں پہنچتی ہیں لوگ از خود مسلمان ہو جاتے ہیں باپ دادا کے عقائد چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنا نظامِ معیشت، سیاست، معاشرت اور نظام عدل تک بدل دیتے ہیں اور اسلام کا نظام اپنا لیتے ہیں۔ کوئی بات تو ہے کہ ان کی افواج علاقے ہی فتح نہیں کرتی دل فتح کر لیتی ہے۔ انہوں نے وہ نکات تلاش کیے تو پتا چلا کہ مسلمان انصاف کرتے ہیں۔ معاشرت میں تہذیب کا لحاظ رکھتے ہیں۔ کاروبار میں دیانت کرتے ہیں۔ با کردار لوگ حکمران ہوتے ہیں۔ معاملات میں عدل کرتے ہیں۔ انہیں پتا چل گیا کہ اس معاشرے کی یہی خوبیاں ہیں جن سے انسانیت فتح ہوتی ہے۔ ہر ایک کو اس کا حق مل جاتا ہے۔ بدامنی اور بدکرداری کا وجود ہی نہیں رہتا۔ یہ اوصاف اہلِ مغرب نے اپنا لیے۔

اس سوال کا جواب یہی ہے کہ یہ اوصاف اہلِ مغرب کے پاس نہیں تھے۔ انہوں نے اسلام کی، اسلامی معاشرے کی یہ خوبیاں اپنالیں تو انہوں نے اللہ کی رحمتِ عامہ سے فائدہ اٹھالیا۔ اللہ کی صفت رحمٰن ہونا۔ اس کا تعلق دارِ دنیا کی عارضی زندگی سے ہے۔ جب دنیا ختم ہوجائے گی تو اس صفت کا ظہور مخلوق پر ختم کر دیا جائے گا لہٰذا جب دنیا میں قرآنی احکام پر کافر بھی عمل کرے گا تو دنیا کا فائدہ اسے بھی ہوگا لیکن صرف دنیا کا فائدہ ہوگا۔ آخرت پر اس کا ایمان ہی نہیں تو آخرت کا فائدہ اسے نہیں ہوگا۔

مومن، قرآنی احکام پر عمل کرے گا تو اس کی دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت بھی۔ مومن کا تعلق اللہ کی رحمانیت سے ہے اور رحیمیت سے بھی ہے۔ الرّحیم بروزنِ حکیم اور بروزنِ علیم ہے۔ یہ عارضی صفات نہیں، یہ دائمی صفات ہیں کہ جو ایمان لائے گا اسے دنیا میں بھی فائدہ ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اس سے رحیمیت منقطع نہیں ہوگی۔

کافر و مومن میں یہ فرق ہے کہ قرآنی اصولوں پر اگر کافر بھی عمل کرے گا تو دنیا کا فائدہ ضرور پائے گا۔ جیسے آج مغرب بعض قرآنی احکام پر عمل پیرا ہو کر دنیا کا فائدہ اٹھا رہا ہے اور جن قرآنی احکام سے وہ فائدہ نہیں اٹھا رہا وہاں انسانیت سے ہی عاری ہے۔ جہاں جہاں انہوں نے قرآنی احکام نہیں مانے وہاں وہ ذلت و خواری سے دوچار ہیں۔

ہمارے دانشوروں کی نظر اس طرف کیوں نہیں جاتی؟ بات یہ ہے کہ قرآن کے احکام نافذ ہوں تو معاشرے کو ثمرات بھی ملیں۔ یہاں تو مسلمان کا نام ہونا کافی سمجھ لیا گیا ہے تو پھر معاشرہ بھی نام کا ہی مسلمان ہے۔

گزشتہ دنوں اسلام آباد جانا ہوا۔ ایک عزیز نوجوان ہے، امریکہ سے آیا ہوا تھا وہ اپنی گاڑی پر ساتھ ہولیا۔ اس کے ہم عمر کچھ پاکستانی دوست عزیز اپنی گاڑی میں تھے۔ واپس آرہے تھے تو ان دونوں لڑکوں پر تیز رفتاری کے باعث جرمانہ ہوگیا۔ وہ جب Toll پر پہنچے تو امریکہ سے آئے ہوئے نے گاڑی روکی۔ جرمانہ اور Toll دیا لیکن ان پاکستانی لڑکوں نے جرمانہ کیا دینا تھا انہوں نے Toll بھی نہ دیا اور کسی ترکیب سے گاڑی بھگا کر نکل آئے۔ گھر واپس پہنچ کر اس امریکہ سے آئے ہوئے لڑکے کا مذاق اڑانے لگے کہ تم نے جرمانہ بھی دیا اور Toll بھی۔ ہماری ہوشیاری دیکھو کہ ہم کس طرح نکل بھاگے! وہ حیران تھا اس کے تصور سے باہر تھا کہ بندہ سڑک استعمال کرے اور Toll نہ دے۔ بندہ قانون توڑے اور جرمانہ نہ دے۔ یہ ہے ہمارا نام نہاد اسلامی معاشرہ اور یہ تربیت ہے اس مغربی معاشرے کی جنہوں نے اسلامی احکام اپنے معاشرے میں نافذ کر رکھے ہیں۔

اصل بات ہے کہ اسلام دل میں اترے، اس کے نفاذ کو دل چاہے۔ اسلام نافذ ہو۔ اللہ کے حکم کی پاسداری ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نظام چلے تو دنیا کا سکون اور آخرت کی سرخروئی دونوں حاصل ہوتی ہیں۔

فرمایا: تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۲﴾ یہ اس اللہ کا کلام ہے جو الرَّحْمٰن ہے۔ اس کلام کو نہ ماننے والا بھی اس کے اصولوں پر عمل کرے گا تو دنیا کا فائدہ ضرور پائے گا۔ اور وہ الرَّحِیْمُ ہے۔ جو مان کر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں شادکام رہے گا۔

قرآنِ حکیم کی خوبیاں:

فرمایا: کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ (ایسی) کتاب جس کی آیتیں واضح ہیں۔ قرآن جو عربی (زبان) میں ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات ہر بات کو کھول کر رکھ دیتی ہیں۔ کوئی سوال باقی نہیں رہتا جس کا یہ کتاب جواب نہ دے۔ ساری کتابیں حالات پر بحث کرتی ہیں، واقعات پر بحث کرتی ہیں، ظاہر پر بحث کرتی ہیں، یہ کتاب کیفیات پر بحث کرتی ہے۔ یہ تو شعور تک اتر جاتی ہے۔ یہ تو دلی خیالات کو پڑھ لیتی ہے۔ جو باتیں تمہارے دل پر وارد ہوتی ہیں یہ ان پر بحث کرتی ہے۔ ظاہر سے لے کر باطن تک ہر چیز کھول کے رکھ دیتی ہے۔

یہ عربی زبان میں ہے۔ اللہ کریم نے عربی زبان کو پسند فرما کر اپنا کلام اسی زبان میں نازل فرمایا۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث فرمایا۔ عربوں میں اپنا رسول مبعوث فرمایا تو اس کے اولین مخاطب عرب تھے ان کی زبان میں نازل فرمایا کہ یہ سمجھیں اور دوسروں تک یہ پیغام پہنچائیں۔ اسی آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ متنِ قرآن جو عربی میں ہے صرف وہی قرآن ہے۔ باقی ساری زبانوں میں قرآن کے ترجمے ہیں۔ تلاوتِ قرآن، عربی متن کی تلاوت ہے۔ باقی جس بھی زبان میں پڑھیں وہ اس کا ترجمہ اور تفسیر ہوگی۔ قرآن نہیں۔

صاحبِ علم کون؟

فرمایا، قرآن عربی میں ہے، عربوں پر نازل ہوا وہ خود ہی نہ سمجھیں تو سمجھائیں گے کیا۔ یہ کائنات بھر کے لوگوں کے لیے ہے۔ جو صاحبِ علم ہیں۔ جو علم رکھتے ہیں۔ سوال اٹھتا ہے کہ قرآن صرف علم والوں کے لیے ہے تو ان پڑھ کہاں جائیں گے؟ پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ علم سے کیا مراد ہے؟ علم اس بات کو کہتے ہیں کہ جو سنی جائے تو دل پر اثر بھی کرے۔ جو بات سنی جائے اور دماغ میں جمع ہو جائے وہ خبر ہے۔ ایک شخص ڈگری پر ڈگری حاصل کرتا جائے اور اس کے دل پر کوئی اثر نہ آئے تو اس کے پاس خبریں ہیں۔ کسی دوسرے نے چند کلمے سیکھ لیے لیکن وہ اس کے دل میں اتر گئے۔ اس آسان سے مثال سے سمجھیں۔ ایک شخص ایک جملہ کہتا ہے تو سننے والا ہنسنا شروع کر دیتا ہے۔ کیوں؟ اس جملے میں جو کیفیت تھی وہ جب دل پر وارد ہوئی تو مسرت ہوئی۔ ایک شخص کچھ کہتا ہے تو سننے والا غصے میں آ جاتا

ہے۔اس لیے کہ اس جملے کی کیفیت جب دل پر وارد ہوئی تو ردِّ عمل میں غصہ آ گیا۔ جو بات دل میں نہ اترے اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور جب دل میں اترتی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ الف بے جیم (ا، ب، ج) جانتا ہو۔

ہر وہ شخص عالم ہے جو اللہ کی کتاب کے مفہوم کو دل میں اتار لیتا ہے۔علم کے درجے ضرور ہیں لیکن ہر وہ شخص عالم ہے جو ارشادِ باری کی کیفیات کو دل میں پا لے۔ ہر وہ بندہ جاہل ہے جو سنتا ہے لیکن اس کے دل میں نہیں اترتا خواہ وہ کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو۔اس کے پاس علم نہیں خبر ہے۔خبر اور علم میں یہ فرق ہے کہ خبر دماغ میں جمع رہتی ہے۔ اس سے کیفیات نہیں بدلتیں، حال نہیں بدلتا۔علم صرف دماغ تک نہیں رہتا، دماغ سے سیدھا دل میں جاتا ہے اور اس کی کیفیات کردار سے مترشح ہوتی ہیں۔

قرآن، ان لوگوں کے لیے ہے جو صرف خبریں ہی اکٹھا نہیں کرتے، علم حاصل کرتے ہیں۔ لقوم یعلمون کے ظاہری ترجمے سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ہے۔قرآن کی نظر میں ہر وہ بندہ جو بات کی کیفیت کو پالے وہ پڑھا لکھا ہے۔جس نے زبان سے کہا الحمد للہ، جب اس کے دل کو اس کی ٹھنڈک پہنچی تو علم ہے اور نہ پہنچی تو خبر۔جس نے زبان سے کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ، اس کے دل میں اس کلمے کا اثر آیا تو علم اور بات زبان تک ہی رہ گئی تو خبر۔اسی لیے ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ اقرارٌ بلسان وتصدیقٌ بالقلب۔ ایمان لانے کے لیے زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق ہونا ضروری ہے۔

فرمایا: بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔۔۔(قرآن) خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔قرآن کا کمال ہی یہ ہے کہ موجود اور غائب حقائق دارِ دنیا میں ہی بتا دیتا ہے۔

رات دن لوگ زیر زمیں چلے جاتے ہیں
کیا خبر تہِ خاک تماشا کیا ہے

انسانوں کا ایک سمندر روزانہ موت کی وادی میں اتر رہا ہے اور ایک سمندر اُمڈتا چلا آ رہا ہے۔ جو عدم سے وجود میں آ رہے ہیں اور جو موت کی گھاٹی میں اتر رہے ہیں یہ کہاں سے آئے اور کہاں جا رہے ہیں، قرآن ان حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔ وہاں کے نتائج کی دنیا میں خبر دیتا ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی، اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کیا اسے انعامات ملیں گے اور جس نے انکار کا راستہ اپنایا، بدعملی اور برائی کو شیوہ بنایا وہ عذابوں کو دیکھے گا۔ قرآن آخرت کے نتائج کی خوشخبری بھی دیتا ہے اور برے اعمال کے نتائج سے بھی ڈراتا ہے کہ ابھی دارِ دنیا میں ہو، ابھی وقت ہے، توبہ کر لو، اصلاح کر لو۔لفظ انذار کا یہ مفہوم ہے۔لیکن ترجمے میں ڈرانے والا ہی لکھا جاتا ہے۔ ڈر کی تو کئی اقسام ہیں۔ چور، ڈاکو، دہشت گرد کا بھی ڈر ہے۔لیکن یہاں ڈر سے مراد اپنے اعمالِ بد کے نتائج کا ڈر ہے۔ انذار

سے مراد ہے کہ دنیا میں ہی برے اعمال کے برے نتائج سے آگاہ کر دینا۔ انذار بھی اللہ کا ایک احسان ہے اور بشیر ہونا بھی بڑا احسان ہے۔ قرآن کی یہ صفت ہے کہ وہ نیک اعمال کے اچھے نتائج کی دنیا میں بشارت دیتا ہے درست عقیدے، اچھے اعمال کے نیک انجام کی خوش خبری سناتا ہے۔ لیکن فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ۝ سو اکثر لوگوں نے (اس سے) روگردانی کی پس وہ سنتے ہی نہیں۔

فرمایا، لوگوں کی اکثریت اعراض کرتی ہے۔ اعراض کہتے ہیں منہ پھیر لینے کو۔ لوگوں کی اکثریت سننا بھی گوارا نہیں کرتی، پروا ہی نہیں کرتی، منہ پھیر لیتی ہے تو سنے گی کیسے اور سمجھے گی کیا؟ لوگوں نے منہ پھیر لیا، دنیا میں مشغول ہو گئے اور بدبختی یہ کہ پھر اس پر فخر بھی کرنے لگے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ کا کلام ہو، قرآن، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ادا ہو اور انسان نہ سنے! انسان تو اتنا کمزور ہے کہ کوئی چرواہا ماہیا گا رہا ہو تو یہ سننے کی لذت پاتا ہے اس کی لَے سُر کی حلاوت محسوس کرتا ہے تو پھر اللہ کا کلام ہو اور بندہ نہ سُنے بلکہ اس سے اعراض کرے!

وہ لوگ قرآن سے اعراض کیوں کرتے تھے؟ انہیں محض یہ اعتراض نہیں تھا کہ قرآن اُن کے بتوں کو غلط کہتا ہے۔ بات یہیں تک ہوتی تو وہ مان بھی لیتے لیکن قرآن نے تو ان کے نظریہ سے لے کر نظامِ حیات تک کو غلط قرار دے دیا۔ فرمایا گیا، تمہارا معاشی نظام چونکہ سود پر استوار ہے اس لیے غلط ہے۔ تم کم تولتے ہو، یہ غلط ہے۔ تم دھوکے سے کسی کا مال لے لیتے ہو، یہ غلط ہے۔ تمہارا سیاسی نظام غلط ہے، تم ہیرا پھیری سے اقتدار میں آجاتے ہو۔ غریب اور مجبور لوگوں پر حکومت کرتے ہو۔ تمہارا عدالتی نظام کمزوروں کو سزا دیتا ہے طاقتوروں کو اعزاز بخشتا ہے، یہ غلط ہے۔

منکرین نے کہا، ہمارے پاس کیا بچا؟ سب کچھ تو اللہ کے کہنے پر کرنا ہوگا۔ ہم نہیں مانتے۔ قرآن نے تو ہمارے باپ دادا کے لیے کہہ دیا کہ جن کا خاتمہ کفر پر ہوا وہ دوزخی ہیں تو ہم کیا مانیں۔ وہ لوگ جو ہماری جوتیوں میں بیٹھتے تھے انہیں ہم اپنے ساتھ بٹھائیں؟ یہ لوگ جو زمین پر سر رکھ کر سجدے کرتے ہیں انہیں اپنے برابر بٹھائیں؟ ہماری کیا عزت باقی بچی۔ اسلام نے تو ہمارا سارا نظام ہی تلپٹ کر دیا۔ حق کا انکار انہیں اس حد تک لے گیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِيۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ ۔۔۔ اور کہتے ہیں جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں۔ یعنی ہمارے دل آپ کی بات نہیں مانتے۔ ہم یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ اپنے باپ دادا کو دوزخی مانیں یا اپنے نظامِ حیات کو چھوڑ دیں۔ اپنا معاشی نظام بھی چھوڑ دیں، معاشرت اور عدالت سب کچھ ہی بدل ڈالیں۔

غور کا مقام ہے کہ کیا آج بھی یہی کچھ نہیں کر رہے؟ وہ تو کلمہ نہیں پڑھتے تھے ہم کلمہ پڑھ کر یہ کر رہے ہیں۔ ہمارا معاشی نظام سودی ہے، تعلیمی نظام غلامانہ ہے۔ عدالتی نظام غیر مسلموں کا دیا ہوا ہے، معاشرت غیر اسلامی ہے۔ پھر خود کو مسلمان بھی سمجھا جاتا ہے۔

وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ اور ہمارے کانوں میں بوجھ (بہراپن) ہے اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان پردہ ہے سو آپ اپنا کام ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو دلیل سے ارشاد فرماتے۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ جہاں دلیل ختم ہو جائے باقی وہاں جھگڑا رہ جاتا ہے تو وہ جھگڑتے ہوئے انکار کرنے لگے ہمارے کان آپ کی باتوں سے بہرے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ وہ تو کافر تھے اس لیے ایسا کہہ رہے تھے۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے، کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو واقعتاً سن رہے ہیں؟ یہ ارشاداتِ پاک ہمارے دلوں میں اتر رہے ہیں؟ کیا ہمارے اندازِ زندگی، اندازِ حکمرانی، نظامِ معیشت، طریقۂ انصاف، نظامِ تعلیم وہ تقاضے پورے کر رہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ بے شک نہ سننا بھی جُرم ہے اور کفر ہے لیکن سن کر نہ ماننا، منہ پھیر لینا، اہمیت نہ دینا کیا ہے؟ منافقت ہے۔

اور منافقت کا انجام کہاں ہے؟ ارشادِ باری ہے: فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء:145) منافق جہنم میں کافروں سے بھی نیچے ہوگا۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے۔

کافروں نے کہا، ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ حائل ہے۔ آپ ایک طرف ہیں، ہم دوسری طرف ہیں۔ آپ اپنا نظامِ حیات بتاتے ہیں، ہمارے پاس اپنا نظامِ حیات ہے۔ آپ اپنے پروردگار کا تعارف کراتے ہیں، ہمارے پاس اپنے بت ہیں۔ آپ اپنا طرزِ عبادت بتاتے ہیں ہمارے پاس باپ دادا سے طرزِ عبادت چلا آرہا ہے۔ آپ ایک طرزِ معیشت بتاتے ہیں ہمارے پاس باپ دادا سے معیشت کا نظام چلا آرہا ہے۔ آپ کے پاس اپنا سیاسی نظام ہے، ہمارے پاس اپنا ہے۔ ہمارے پاس تعلیم خاص لوگوں کے لیے ہے، آپ تعلیم عام کر رہے ہیں۔ ہم اپنا نظام نہیں چھوڑ سکتے لہٰذا آپ ایک طرف، ہم دوسری طرف۔ آپ اپنا کام کریں جسے آپ صحیح سمجھتے ہیں اور ہم وہ کر رہے ہیں جسے ہم صحیح سمجھ رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوتا ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ فرما دیجیے بے شک میں بھی تمہاری طرح آدمی ہوں (ہاں) مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود، معبودِ واحد ہے سو اس کی طرف سیدھے رہو اور اس سے بخشش چاہو اور شرک کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے۔

آپ فرما دیجیے کہ میں تمہاری ہی طرح کا انسان ہو۔کوئی دوسری مخلوق نہیں۔میری ساری ضروریات وہی ہیں جو تمہاری ہیں۔موسموں کی گرمی، سردی مجھے بھی متاثر کرتی ہے۔میرے بھی والدین، بزرگوار بیوی بچے ہیں۔عزیز رشتہ، سسرال، خاندان، قبیلہ ہے۔میرے سارے معاملات تمہاری طرح ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم اسلام قبول نہیں کر سکتے؟۔ہم سب بنی آدم ہیں لیکن میرے اور تمہارے میں ایک فرق ہے۔وہ یہ کہ مجھ پر اللہ کی وحی آتی ہے۔مجھے میرا خالق راستہ سمجھاتا ہے۔تم نے راستہ آباء واجداد سے لیا ہے۔تم نے راستہ بھٹکے ہوئے لوگوں سے لیا ہے۔مجھ پر اللہ ربّ العالمین کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔میری بھی ساری ضرورتیں انسانی ہیں اور میں بڑے مزے سے اسلام کے احکام کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔تم بھی انسانی ضرورتیں رکھتے ہو تو تم کیوں اسلام پر عمل نہیں کر سکتے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت بے مثال ہے:

یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہ سمجھنا قرآن کا انکار ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا انکار ہے۔بشریتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نبوت کا انکار ہے کیونکہ کوئی فرشتہ نبی نہیں بنا۔تمام انبیاءؑ بشر ہی تھے۔فرق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمالِ بشریت ہیں، انتہائے بشریت ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مثالی ہے۔شبِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجودِ عالی سمیت جہاں تک ربّ نے چاہا، ان بلندیوں تک تشریف لے گئے اور ملائکہ کے سردار سدرۃ المنتھیٰ پر رک گئے۔وجودِ عالی کی بشریت وہاں سے آگے تھی جہاں ملائکہ کے پَر جلتے تھے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ میں بشر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر ہیں۔نہیں۔ہم بنی آدم میں سے ہیں لیکن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریتِ مطہرہ کے سامنے خاک بھی نہیں۔ہم میں اتنی ہی انسانیت ہے جتنا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں۔جب ہم عقیدہ و عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ہٹ جائیں تو ہم حیوانوں سے بھی نیچے گر جاتے ہیں۔ارشادِ باری ہے: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (التین: 5)

اس طرح ہم نے بشریت کی توہین کر دی۔جو بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ اپنی بشریت پر قیاس کر کے ایسا کہتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ایسا بشر ہوں کہ اللہ مجھ سے باتیں کرتا ہے، مجھ پر اپنی وحی بھیجتا ہے۔اللہ کا کلام مجھے بتاتا ہے کہ تمہارا معبود وہ واحد و لاشریک ہے لہٰذا لوگو! تک سیدھے ہو جاؤ۔ساری امیدیں اسی واحد و لاشریک سے منسلک کر لو، ساری تمنائیں اس کی بارگاہ میں ڈھیر کر دو اور اسی سے بخشش چاہو۔تم بہت غلطیاں کرتے رہتے ہو۔جو جان بوجھ کر کرتے ہو وہ تو الگ ہیں اور جو انجانے میں ہو جاتی ہیں وہ بھی بے شمار ہیں لہٰذا ہمیشہ

استغفار کرتے رہو، بخشش طلب کرتے رہو۔

دوسری طرف والوں کے لیے بڑی تباہی ہے۔ شرک کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے۔ مشرکوں کے لیے بربادی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ فرمایا: الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔

ایک سوال:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال، فرائض واجبات سنن، نوافل تب ہوتے ہیں جب کوئی ایمان لے آئے۔ کافر پر تو صلوٰۃ فرض ہے نہ روزہ نہ ہی زکوٰۃ۔ وہ پہلے ایمان تو لائے۔ ایمان کے بعد اس پر فرائض عائد ہوتے ہیں لیکن یہاں کہا گیا کہ تباہ ہو گئے مشرک کہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔

جواب یہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ سے مراد ان کا معاشی نظام ہے۔ ان کا معاشی نظام غریب پرور نہیں ہے، غریبوں کو لوٹنے والا ہے، سودی ہے جو غریب سے چھینتا ہے اور امیر کو امیر تر بناتا ہے۔

میرا خیال ہے یہ معنی آتا تو ہم سب کو ہے ہم لوگوں کو اس لیے نہیں بتاتے کہ حکومت ناراض ہوگی۔ یاد رہے! جو چیز شریعت نے حرام کی ہے، اسے کوئی حکومت حلال نہیں کر سکتی۔ حرام، حرام ہے۔ کئی برس پہلے جب ہماری عدالتوں نے سود اور سودی نظام کو حرام قرار دیا، شریعت کورٹ نے اسے حرام قرار دیا اس وقت کے حکمران اسے سپریم کورٹ لے گئے۔ آج تک اس کی سماعت نہیں ہو سکی۔

یہاں اسی نظام کی بات ہو رہی ہے کہ یہ لوگ مال کو جائز طریقے سے نہ حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی جائز جگہ پر خرچ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا معنی ہے پاکیزگی۔ زکوٰۃ، مال کا میل ہے میل نکل جائے تو مال پاک ہو جاتا ہے لیکن وطن عزیز میں یہ میل کھانے والے بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ رمضان میں ٹی وی پر اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے۔ سب کہتے ہیں، یہ میل ہمیں دو، ہم ہسپتال بنا رہے ہیں۔ زکوٰۃ تو غریبوں کے لیے ہے۔ ان کے لیے ہے جن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ جو ضرورت مند مستحق ہیں۔ ہسپتال بنانا کارِ خیر ہے۔ یہ بھلائی کا کام کرو تو اپنی جیب سے کرو۔ اگر تمہارے پاس اتنا سرمایہ نہیں تو دیگر امراء کو شامل کر لو، غریبوں سے نوالہ نہ چھینو۔ اللہ کریم جانیں اور یہ لوگ جانیں کہ کس طرح حساب دیں گے۔ بہرحال جو کچھ ہو رہا ہے، صحیح نہیں ہو رہا۔

اس آیت میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ مشرک مالیاتی نظام کو انصاف سے نہیں چلاتے۔ غذا ایک ایسی چیز ہے جو سارے کردار کو متاثر کرتی ہے۔ یہودی جو نسلیں تباہ ہوئیں ان کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں: سَمّٰعُوْنَ

لِلۡكَذِبِ اَكّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ (المائدہ:42) اُن پر عذاب کا سبب یہ دو بنیادی چیزیں تھیں۔ جھوٹ سننا اور حرام کھانا۔ بتایا جا رہا ہے کہ ان کا معاشی نظام ناانصافی پر مبنی ہے۔ وجہ بھی بتائی جا رہی ہے کہ یہ ظلم اس لیے کرتے ہیں، ناانصافی اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں آخرت کا یقین نہیں ہے۔

اپنا جائزہ لیجیے:

قرآنِ حکیم ہر ایک سے مخاطب ہے۔ دوسروں کے واقعات سنانے کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان، قرآن پڑھ کر اپنا جائزہ لیں۔ اس آیت کی روشنی میں ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم تو جھوٹ نہیں سن رہے، حرام تو نہیں کھا رہے؟ سارا دن سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا کیا سچ ہی کہتا ہے، حق ہی نشر کرتا ہے؟ کہیں ان پر جھوٹ تو نشر نہیں ہو رہا، کہیں ہم جھوٹ تو نہیں سن رہے؟

عام آدمی اگر نظام نہیں بدل سکتا تو اس نظام کا حصہ نہ بنے اپنے آپ کو تو جھوٹ اور حرام سے بچا سکتا ہے۔ میڈیا کے جھوٹ سننے سے بچو۔ سود نہ لو، سود پر قرضہ نہ لو، اپنے مال کو حرام سے بچاؤ۔ جتنا ممکن ہے عذاب لانے والے امور سے دور رہو۔ حرام کھانے والا بدکار ہو جاتا ہے، بدکاری آخرت کے انکار کا سبب بن جاتی ہے۔ آخرت کا انکار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

اسی دنیا میں بسنے والے کچھ لوگ وہ بھی ہیں: اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ۝۸ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے بلاشبہ ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا صلہ ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ اس کائنات میں وہ بھی بستے ہیں جن کا ایمان کھرا اور سچا ہے۔ جن کا کردار صالح ہے۔ وہ ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، حلال حرام میں تمیز رکھتے ہیں۔ اپنی زندگی اللہ کے دین کے مطابق گزارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے، ان کا اجر وثواب لامتناہی ہے۔ کبھی ختم ہی نہ ہونے والا ہے۔ دنیا کے بحرِ ظلمات میں سے جو اپنا دامن بچا کر نکلیں گے ان پر جو انعامات ہوں گے ان کی کوئی انتہا نہیں، کوئی حد نہیں ہے۔ ان پر اللہ کے انعامات بڑھتے ہی جائیں گے، کم نہیں ہوں گے۔ زندگی کو بھی دوام نصیب ہوگا اور انعامات بھی کبھی ختم نہ ہوں گے۔

سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 2 آیات 9 تا 18

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ
اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ
فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤى
اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ
قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ
سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ
وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا
اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ
مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ
لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى
وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى
فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۚ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

فرمایئے کہ کیا تم اس (ہستی) سے انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو پیدا فرمایا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو وہی تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۹﴾ اُس نے اس (زمین) میں، اس کے اوپر پہاڑ بنا دیے اور اس میں برکت رکھی اور چار دنوں میں اس میں، اس کا سب سامانِ معیشت مقرر فرمایا، تمام طلب گاروں کے لیے یکساں ﴿۱۰﴾ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا ہم خوشی سے حاضر ہیں ﴿۱۱﴾ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کے کام کا حکم ارسال فرما دیا اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجا دیا اور محفوظ فرمایا یہ غالب علم والے کے مقررہ اندازے ہیں ﴿۱۲﴾ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو فرما دیجیے مَیں نے تم کو ایسی چنگھاڑ (عذاب) سے ڈرایا جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ (عذاب) تھی ﴿۱۳﴾ جب ان کے پاس ان کے آگے اور پیچھے سے پیغمبر آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (تو) کہنے لگے کہ اگر ہمارے پروردگار چاہتے تو ضرور فرشتے اتار دیتے سو جو آپ دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے ﴿۱۴﴾ پھر جو عاد تھے سو وہ زمین (دنیا) میں ناحق تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے ہم سے بڑھ کر کون طاقت والا ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہیں آیا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا فرمایا وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے اور وہ ہماری آیتوں کا (ضِد سے) انکار کرتے رہے ﴿۱۵﴾ سو ہم نے ان پر نحوست کے دنوں میں بہت زور کی ہوا چلائی تاکہ ہم ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی ﴿۱۶﴾ اور جو ثمود تھے تو ان کو ہم نے سیدھا راستہ بتایا سو انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنے (گمراہی) کو پسند کیا تو ان کی بدکرداریوں کی سزا میں ان کو کڑک کے ذلّت والے عذاب نے آ پکڑا ﴿۱۷﴾ اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ہم نے ان کو بچا لیا ﴿۱۸﴾

تفسیر و معارف

خالق، صرف ذاتِ باری ہے۔ تخلیق نام ہے عدم سے وجود بخشنے کا۔ جسے عدم سے وجود عطا کیا جائے وہ مخلوق ہے اور جو عطا کرے وہ خالق! خالق وہ واحد ولاشریک ہستی ہے کہ عدم تھا، کچھ تھا ہی نہیں، کچھ بھی نہیں تھا تو اس نے پیدا کر دیا۔ اس عظیم خالق و مالک کی عظمت کا انکار کرنے والوں کو دعوتِ فکر دی جا رہی ہے، ان کے شعور کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ کیا تم اس ذات کی عظمت کا انکار کرتے ہو جس نے اس کائنات کو اور اس میں رہنے والی مخلوق کو پیدا کیا۔ انہیں رزق پہنچاتا ہے۔ فرمایا: قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فرمایے کہ کیا تم اس (ہستی) سے انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو پیدا فرمایا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ وہی تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

وہ خالق ہے، قادر ہے، وہ آنِ واحد میں تخلیق کر سکتا ہے۔ وہ چاہتا تو ایک آن میں ساری کائنات تخلیق ہو جاتی لیکن خود ذاتِ باری، ربّ العالمین نے ہر کام میں ترتیب رکھی ہے۔ ہر کام کا ایک وقت رکھا ہے۔ ہم پریشان ہو جاتے ہیں، گھبرا جاتے ہیں کہ فلاں کام کرنا تھا، اتنے دن ہو گئے نہیں ہوا۔ خالقِ کائنات نے ایسا نظام ترتیب دیا ہے جس میں ایک سبب سے دوسرا سبب پیدا ہوتا ہے، اس سے اگلا اور اسی طرح کسی سبب کے ذریعے نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

اللہ نے جب زمینوں کی تخلیق فرمائی تو دو دن لگا دیے تاکہ اہلِ ارض کو پتا ہو کہ چیزیں، اسباب کے نتائج میں، اپنے وقت پر پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس کا قانون ہے۔ اس نے ان دو دنوں میں ہر ذرّے میں تخلیق کا عنصر رکھا۔ غذا، دوا، ضرورت کی ہر چیز پیدا فرمائی۔ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق سے لے کر بڑی سے بڑی تک سب کا رزق تقسیم کر کے طے کر دیا۔ ہر کوئی اپنے حصے کا ہی کھا رہا ہے۔ یہ اس کا کمال ہے کہ غلّے کا جو دانہ پہلے انسان کا حصّہ تھا، وہی اس نے کھایا، دوسرے کا نہیں کھا سکتا۔ اور جو اس کا نصیب تھا اسے چھوڑ کر نہیں گیا۔ اگر مرنے والے اپنے حصّے سے تھوڑا تھوڑا چھوڑ جاتے تو زمین پر صرف غلّہ ہی غلّہ ہوتا اور کچھ نہ ہوتا۔ اور اگر دوسروں کا کھا جاتے تو لوگ بھوکوں مر جاتے۔ ان دو دنوں میں زمین کو کس قدر خزانوں سے بھر دیا۔ وہی خطۂ زمین ہے، اسی سے سب کو پال رہا ہے۔ وہ دو دن کتنے طویل تھے یہ وہی جانتا ہے۔

سوچو تو سہی! وہ کتنی عظیم ذات ہے، کتنی قدرتِ کاملہ کی مالک ہے۔ تمام علوم اس کے ذاتی ہیں۔ ہر شے اس کے سامنے حاضر ہے اور تم اس کے لیے شریک مانتے ہو، تم سمجھتے ہو اس کی عظمت میں کوئی شریک ہے؟ تم خیال کرتے ہو کہ فلاں بُت کو پکارو گے، فلاں حاکم کو مدد کے لیے بلاؤ گے، کیسے جاہل ہو؟ یہ سب اس کی مخلوق ہیں، سب محتاج

ہیں۔ محتاج محتاجوں کو کچھ نہیں دیا کرتے۔ گدا گر گداگروں کو کچھ نہیں دیتے۔ مانگنے والا دوسرے مانگنے والے کو ذرّہ بھی نہیں دیتا۔ مانگنے والا محتاج ہوتا ہے۔ دینے والے کے اپنی ذاتی خزانے ہوتے ہیں۔ اللہ کی ساری مخلوق اس سے لیتی ہے۔ اس کی بارگاہ کی محتاج ہے۔ پھر تم کس طرح بتوں کو اس کا شریک بناتے ہو؟ اللہ کی مخلوق میں بھی بے حس و بے جان ایک پتھر ہے۔ جسے تم تراشتے رہتے ہو، اس پر شیشے چلاتے ہو، وہ تمہارا ہاتھ نہیں روکتا، کچھ نہیں کہتا، تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا۔ تم اس کو غسل خانے میں لگا دو یا تو فریاد نہیں کرتا اور مسجد کی دیوار میں چُن دو تو شاباش نہیں دیتا۔ اسے کوئی شکوہ ہے نہ شعور۔ وہ تو تمہارے استعمال کے لیے ہے۔ تم کیسے ہو کہ اس کی پوجا کرتے ہو؟ تمہیں تو اللہ نے انسانی شعور دیا تھا، تم نے یہ کیا کیا؟

توازن بقا کا سبب ہے:

فرمایا: وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٠﴾ اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیے اور اس میں برکت رکھی اور چار دنوں میں اس میں، اس کا سب سامانِ معیشت مقرر فرمایا، تمام طلب گاروں کے لیے یکساں۔

اس نے زمین کو متوازن رکھنے کے لیے اس میں بڑے بڑے پہاڑ رکھ دیے کہ یہ لرزتی یا جھولتی نہ رہے۔ لوگ لڑھکتے نہ رہیں اس نے یہ توازن اس لیے رکھا کہ اس پر مخلوق کے لیے جینا مشکل نہ ہو، آسان ہو۔ قدرت کا یہ اصول بقا کا سبب ہے، آرام اور سکون کا سبب ہے۔ کوئی ہمالہ پہاڑ کو یہاں سے اٹھا کر برطانیہ میں رکھ دے تو زمین کا وہ توازن نہ رہے جو آج ہے۔ جہاں جتنی ضرورت تھی اللہ نے اسے وہاں رکھ دیا۔ کرۂ ارض بیضوی ہے لیکن اس کے ہر گوشے پر لوگ آرام سے رہتے ہیں۔ سب کے لیے ہموار ہے۔ کون اسے اس طرح، اس حال میں رکھتا ہے۔ وہی واحد و لاشریک، خالق و مالک۔ اسی زمین میں اللہ نے ساری مخلوق کی تمام مادّی ضروریات پوری کرنے کا خزانہ سمو دیا لیکن زمین کھود ڈالیں، کمادکی ایک ڈلی (شاخ) نہیں ملتی، ایک چھلی نہیں نکلتی۔ اس نے اس رزق کو حاصل کرنے کے قاعدے اور ایک ترتیب رکھی ہے۔ جب اس کے بتائے ہوئے قاعدے استعمال کرتے ہیں تو یہی زمین ہر چیز اپنے وقت پر تیار کر کے بہم پہنچا دیتی ہے۔ زمین میں یہ قوت کس نے رکھی، کون ہے وہ؟

ایک چشم دید واقعہ:

اپنی زمینوں پر ہم نے کنواں کھدوایا۔ ڈیڑھ پونے دو سو فٹ اسے گہرا کھودا گیا۔ بارود سے چٹانیں کاٹی گئیں۔ جب ہم نوّے اور سو فٹ کے درمیان تھے تو بلاسٹ کے ساتھ ایک گیند نما پتھر نکلا۔ اسے ٹھوکر لگا کر توڑا، دو

حصے ہو گیا۔ درمیان میں ایک خلا تھا، اس میں ایک تتلی تھی۔ حیرت ہوئی کہ وہ زندہ تھی، اس غذا کہاں سے مل رہی تھی وہ، ہوا کہاں سے لے رہی تھی؟ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے کہ اس کا رزق اتنی چٹانوں کے اندر اس تک اس پتھر کے گولے میں پہنچ رہا تھا۔

اللہ نے زمین میں ہر چیز کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ اس میں تمام قوتیں سب کے لیے ایک اندازے سے متعین کر دی ہیں۔ غذا، دوا، دھوپ، ہوا، بارش کا نظام مقرر ہے۔ انسانوں کے لیے دولت، حکومت، اقتدار، امیری غریبی سب طے ہو چکا ہے۔ کس کو کیا ملنا ہے، یہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ انسان کا سکون اس میں ہے کہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق اپنا حصہ حاصل کرے۔ ایسا کرے گا تو خوشحال ہوگا۔ اللہ کے پاس واپس جائے گا تو انعام سے نوازا جائے گا۔ دوسروں سے چھیننے کی کوشش کرے گا تو اللہ کے ضابطے توڑنے کا مرتکب ہوگا۔ قانون توڑنے والا اس دنیا میں مفرور ہوتا ہے۔ قبر میں جانے تک مفرور ہی رہتا ہے۔ دنیوی قانون توڑنے والوں کی زندگی بھی بڑی ابتر ہوتی ہے۔ ٹھکانہ میسر نہ کھانا پینا۔ کسی سے ملنا خطرے سے خالی نہیں۔ ہر وقت خطرہ منڈلاتا رہتا ہے۔ فرمایا گیا کہ اللہ کی نعمتیں جائز اور حلال وسائل سے ملتی ہیں جو ان وسائل سے تجاوز کرے گا وہ قانون توڑے گا۔ پھر اس کی زندگی ایک مفرور کی زندگی ہوگی۔ ڈرتے، بھاگتے، دم توڑ جائے گا، آگے پہنچے گا تو گرفتار ہو جائے گا۔ زندگی کی فرصت میں اس پر غور کر لینا چاہیے۔

تخلیقِ کائنات کی ترتیب بتائی جا رہی ہے کہ پہلے دو دن میں زمین کا مادّہ بنایا پھر آسمان کا مادّہ بنایا، پھر زمین کی موجودہ صورت مکمل کی۔ اس پر پہاڑ، سمندر، دریا، خشکی سب تخلیقات کو اندازے سے بنایا۔ پھر آسمانوں کو مکمل فرمایا۔

اس آیہء مبارکہ میں زمین کے مکمل ہونے کا ذکر ہے کہ تخلیق زمین میں دو دن لگا کر پھر اس میں دیگر نعمتیں پیدا کرنے میں مزید دو دن لگائے اور چار دنوں میں انہیں مکمل فرما دیا۔ ہر مخلوق کی ضرورت، اس کی صحت کا اہتمام۔ عمر وغیرہ کے سارے فیصلے کر دیے۔ یہ اتنا باریک کام تھا جو صرف قدرتِ باری ہی کر سکتی ہے۔

یہودِ مدینہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ سوال کیا کہ زمین و آسمان کیسے بنے؟ پہلے کیا بنا؟ پھر ان کی ترتیب کیا ہے؟ اس کا جواب یہ آیات دے رہی ہیں اور اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ پوچھنے والوں کے لیے یہ جواب کافی ہے۔ پوچھنے والو! تم خالق کے مقابلے میں بتوں کو پوجتے ہو اور پوچھتے ہو کہ تخلیق کیا ہے اور اس کی ترتیب کیا ہے؟ ان آیات میں جو کچھ فرما دیا گیا، پوچھنے والوں کے لیے یہ جواب یکساں ہے انسان اگر یہی سوچ لے کہ اس کے رزق، عمر، بیماری، صحت کے فیصلے تو پہلے ہو چکے۔ وہ خود دنیا میں کتنی صدیوں بعد آیا۔ سمجھ لے کہ رزق حلال پر میں قناعت کر لوں تو

بہتر ہے کیونکہ دوسروں سے چھین کر میں اپنے مقدر سے زیادہ نہیں کھا سکتا۔ میرے نصیب میں وہی ہوگا جو ازل میں لکھ دیا گیا تھا۔ لوگوں سے چھین کر جو حاصل کروں گا تو بالآخر وہ سب یہیں چھوڑ کر جانا ہوگا۔ مر جاؤں گا تو اس ناجائز ذریعہ سے حاصل کرنے کا جواب مجھے ہی دینا ہوگا۔ بندہ یہ سوچ لے کہ میرا نصیبہ تو ازل میں طے ہو گیا تھا پھر وہ حلال پر قناعت کرے تو دنیا اس کے لیے جنت بن جائے۔ اور آخرت میں اللہ کا انعام پائے۔

اللہ کی ساری مخلوق اپنی حیثیت میں اللہ سے ہمکلام ہوتی ہے:

فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

زمین کو پھیلا کر، بنا کر، اس میں ساری قوتیں رکھ کر، اس کے سارے فیصلے کر کے پھر اللہ کریم آسمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ آسمان اس وقت زمین کے گرداگرد دھواں سا تھا جو زمین کے گرد پھر رہا تھا۔ اللہ کریم نے اس دھوئیں اور زمین دونوں سے فرمایا کہ تم میں میرا حکم نافذ ہوگا۔ تم خوشی سے قبول کر لو اور اگر ناپسند کرو تب بھی میرا حکم تم میں نافذ ہوگا۔ یہاں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ زمین و آسمان کے یہ سوال جواب زبانِ حال سے ہوئے۔ وہ یہ بھول رہے ہیں کہ یہ سوال جواب اُسی خالقِ کائنات سے ہوئے جس کی بارگاہ میں ہوا بھی بات کرتی ہے، آگ بھی بات کرتی ہے، سنتی ہے۔ پتھر اور درخت حیوان اور انسان سب ہی بات کرتے ہیں۔

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

خاک ہو یا پانی، ہوا ہو یا آگ سب اس کے بندے (تخلیق) ہیں۔ ہمارے لیے تو بے جان ہیں اُس کے لیے سب میں جان موجود ہے۔ سب اس کی سنتے ہیں اور مانتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں ملتا ہے کہ اللہ کریم نے آگ کو براہ راست حکم فرمایا کہ اے آگ! تو ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے جانفزا ہو جا۔ جن مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آگ بجھ گئی انہیں یہ سمجھ ہی نہیں آئی کہ اللہ نے تو آگ کو بجھنے کا حکم ہی نہیں دیا۔ اگر وہ بجھ گئی تھی تو پھر وہ آگ نہ رہی۔ جبکہ اللہ نے آگ کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے گل گلزار بن جا۔ آگ جلتی رہی۔ شعلے بھڑکتے رہے لیکن ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے بادِ بہاری بن گئے۔ ہر چیز اسی کی مخلوق ہے۔ اسی کی سنتی ہے۔

ہم نے بھی ایسے لوگ دیکھے ہیں:

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہم ایک جگہ مہمان تھے۔ میز بان کی بھینس نے اس شام دودھ نہ دیا تو انہوں نے حضرت جیؒ سے درخواست کی کہ بھینس کو دم فرما دیجیے۔ حضرتؒ نے قاضی صاحب سے فرمایا، جا کر بھینس سے بات کرو۔ قاضی صاحب چلے گئے۔ واپس آئے تو پوچھا، کیا ہوا؟ کیا بھینس نے دودھ دیا؟ جی ہاں! میز بان نے بالٹی بھر کر دودھ نکالا ہے۔ پوچھا، ایسا کیا کر آئے ہو؟ جی! میں نے اس سے کہا تھا دیکھ تیرے ساتھ یہ لوگ کتنا اچھا سلوک کرتے ہیں۔ انہوں نے دن بھر تیری خدمت کی، تجھے ٹھنڈے پانی سے نہلایا، پانی پلایا، پٹھے (چارا ڈالا)، ونڈا کھلایا، تجھے شرم نہیں آتی کہ دودھ نہیں دے رہی۔ حضرتؒ نے پوچھا، پھر؟ کہنے لگے، میں بھاگ آیا۔ کیوں بھاگ آئے؟ اس لیے کہ اگر وہ کہہ دیتی کہ تجھ پر اللہ کے اتنے احسان ہیں، تو کیا شکر ادا کر رہا ہے؟ تو پھر!

اللہ کے ایسے بندے تو ہم نے بھی دیکھے ہیں!

زمین و آسمان کی بات ہو رہی ہے۔ دونوں نے عرض کی، بارِالٰہا! ہم بخوشی اطاعت گزار ہیں۔ سوچیے! زمینوں، آسمانوں نے تو کہہ دیا کہ ہم اطاعت گزار ہیں اور پھر آج تک اللہ کریم کے کسی حکم سے انہوں نے سرِ مو انحراف نہیں کیا تو ہم کیا کر رہے ہیں، کیا ہم حکم مان رہے ہیں؟ یہ ایک سوال ہے، ہم میں سے سب اپنے آپ سے پوچھ سکتے ہیں!

آسمانوں کے بارے فرمایا: فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿١٢﴾ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کے کام کا حکم ارسال فرما دیا اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجا دیا اور محفوظ فرمایا۔ یہ غالب علم والے کے مقررہ اندازے ہیں۔

اللہ کریم نے دو دنوں میں اس دھوئیں کے سات آسمان بنا دیے۔ پھر ہر ایک کا کام ان میں تقسیم فرما دیا۔ آسمانی مخلوق، ان کی جگہیں اور آسمان میں تمام نعمتیں ہر چیز مکمل فرما دی۔ ہر آسمان پر اپنا حکم نافذ کر دیا۔ اور دنیا کے آسمان کو ہم نے چراغوں سے سجا دیا۔ ستاروں کا ایک جہان بسا دیا۔ آسمان کی وسعتوں کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کتنی کہکشائیں انسان نے دریافت کر لیں، کتنی ہیں جن کا پتا ہی نہیں۔ کس کس ستارے میں اس نے کیا خصوصیت رکھی، کس کے زمین پر کیا اثرات ہوتے ہیں، اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں اس کا کماحقہٗ علم، مکمل علم ہماری معلومات سے بالاتر ہے۔ چند باتوں کی سمجھ عام ہے کہ سورج نکلتا ہے تو اس کی تپش سے روئیدگی ہوتی ہے۔ بھاپ بنتی ہے بادل

بنتے ہیں بارشیں ہوتی ہیں اور نظامِ زندگی رواں رہتا ہے۔ چاند کی چاندنی سے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتا ہے۔ یہ چند ابتدائی معلومات ہیں لیکن حقیقتاً وہاں کیا کیا ہوتا ہے اس کا مکمل علم وہی جانے جس کی کائنات ہے۔ البتہ یہ طے ہے کہ ہر ستارے، ہر سیارے کی پوری توجہ کرۂ ارض پر ہے۔ ان کے اثرات زمین پر بے پناہ تبدیلیاں لاتے ہیں اور زمین سے اللہ کی نعمتیں نکلتی ہیں۔ اس میں بھی پیغام یہی ہے کہ اے نسلِ انسانی! سورج، چاند، ستاروں، سیاروں، آسمان کی تمام نعمتوں سے لے کر زمین کے ذرّے ذرّے تک ہر نعمت ہم نے تمہارے لیے مسخر کر دی۔ میں نے ہی آسمان بنائے، انہیں چراغوں سے سجایا اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی فرماتے ہیں۔ تم اب اندازہ کرلو کہ کائنات تمہاری خدمت کے لیے بنائی اور تم میرے لیے ہو تو کیا تم میرے بنتے ہو؟

منکرین نے پہلے جو سوال کیا تھا اس کا یہ تفصیلی جواب ارشاد ہوا۔ اور فرمایا، کہ اس جواب کے بعد بھی وہ بات نہ سمجھنا چاہیں تو گزشتہ اقوام کے انکار کا انجام دیکھ لیں۔ فرمایا: فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ؕ﴿۱۳﴾ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو فرما دیجیے میں نے تم کو ایسی چنگھاڑ (عذاب) سے ڈرایا جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ (عذاب) تھی۔

مفسرینِ کرام یہاں عتبہ بن ربیعہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنی قوم کا دانشور تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے ایمان لانے کے بعد مسلمان آزادی سے بیت اللہ جانے لگے تھے۔ نمازیں پڑھتے، بیٹھے رہتے، یادِ الٰہی کرتے رہتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیت اللہ میں تشریف فرما رہتے تھے۔ اس زمانے میں بیت اللہ کی عمارت مستطیل تھی۔ اردگرد چٹانیں تھیں درمیان میں طواف کی جگہ تھی۔ روسائے مکہ اور ان کے ساتھی ان چٹانوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں ایک دن روسائے مکہ ان کے ملنے جلنے والے اور عتبہ بن ربیعہ بھی بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ مسلمانوں کی طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ تم جتنا زور اسے روکنے پر لگا رہے ہو یہ زیادہ بڑھ رہی ہے۔ یہ تمہاری دی ہوئی سختیاں سہہ لیتے ہیں، یہ سختی سے رکنے والے نہیں۔ مجھے اجازت دو تو میں انہیں کچھ لالچ وغیرہ دوں، ان سے بات کروں۔ انہوں نے کہا، جاؤ۔ عتبہ بن ربیعہ خدمتِ عالی میں حاضر ہوا کہنے لگا بھتیجے! ہم اس صحرا میں رہتے آئے ہیں۔ ہمارا ایسا سیاسی نظام ہے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں درجہ بندی ہے۔ روساء ہیں پھر ان کے بعد دوسرے درجے کے پھر تیسرے درجے کے لوگ ہیں۔ ہم اسی کے مطابق بڑی عزت اور رعب سے جی رہے ہیں۔ آپ اس سارے (نظام) کو کیوں خاک میں ملانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ کی تعلیمات کے مطابق تو ہمارے آباء واجداد بھی کافر تھے۔ جو آپ کے دین کا انکار کرتا ہے اسے آپ جہنم کی وعید سناتے ہیں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اگر آپ یہ سب کچھ اقتدار و دولت

کے لیے کر رہے ہیں اور آپ ہمارے سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم سب آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ آپ ہماری مخالفت چھوڑ دیں، ہمارا ساتھ دیجیے۔ اگر آپ لوگوں کو متحد کر کے دولت جمع کرنا چاہتے ہیں تو ہم خود آپ کے لیے اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ عرب میں کسی دوسرے کے پاس نہیں ہوگی تو کچھ معاملہ سلجھائیے، جب تک عتبہ بن ربیعہ بولتا رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہے۔ جب وہ بات ختم کر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی۔ حٰمٓ السجدۃ کی تلاوت شروع کر دی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے: فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿١٣﴾ تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا، اپنی قوم کو عاد وثمود کی طرح ہلاک کرنے کی خبر مت دو اور اٹھ کر واپس چلا گیا۔ مشرکین نے کہا، اس پر بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو چل گیا ہے۔ اس کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ کر ان سے کہنے لگا میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ اس ہستی کی بات مانتے نہیں ہو تو اس کی دشمنی چھوڑ دو۔ باقی عرب قبائل اس کی مخالفت کریں گے۔ اگر انہوں نے انہیں شکست دے دی تو تمہارا مطلب پورا ہو گیا۔ تمہاری حکومت قائم رہے گی، تمہارا نظام باقی رہے گا اور اگر مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو بھی تمہارے قبیلے کی ہی حکومت ہوگی۔ میں ان سے ایسا کلام سن کر آ رہا ہوں جسے روکنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اس پر مشرکین کہنے لگے، اس پر بھی ان کا جادو چل گیا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا کہ یہ سارے حقائق بیان کرنے کے بعد بھی اگر لوگ اعراض کریں، اللہ کی اطاعت کی طرف نہ آئیں تو میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) فرما دیجیے کہ میں تمہیں ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جو عاد وثمود پر واقع ہوئے تھے۔ پہلی اقوام کے حالات پڑھو۔ ان کی طرف بھی انبیا و رسل علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے تو انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟ ان کی زبان کیا کہتی تھی اور ان کا عمل کیا تھا؟ پھر اس پر کیا نتیجہ نکلا؟ یہ دیکھ لو اور اپنے لیے کوئی راہ منتخب کر لو۔ قوموں کی تاریخ کھلی پڑی ہے۔

عاد اور ثمود اپنے عہد کے ترقی یافتہ لوگ تھے۔ سائنسی اور مادّی ترقی میں بہت کمال حاصل کر چکے تھے۔ آج کے ماہرین اُس طرح پہاڑوں کو کاٹ کر مکان نہیں بنا سکتے جس طرح ثمود نے بنائے تھے۔ قومِ عاد بہت طاقتور اور شان وشوکت رکھنے والی قوم تھی۔ ان کے بھٹکنے کی وجہ غرور وتکبر سے اللہ کے پیغام سے منہ موڑنا تھا۔ فرمایا: إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿١٤﴾

جب ان کے پاس آگے اور پیچھے سے پیغمبر آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (تو) کہنے لگے کہ اگر ہمارے پروردگار چاہتے تو ضرور فرشتے اتار دیتے۔ سو جو آپ دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

عبادت کا نتیجہ، اللہ کی مکمل اطاعت:

اللہ کریم نے عاد و ثمود کی طرف پے در پے انبیاؑ بھیجے۔ جنہوں نے انہیں ایک ہی بات کہی کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ عبادت میں تمام جانی، مالی عبادات آ جاتی ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ دین کا ایک حصّہ ہیں اور سب سے ضروری حصّہ ہیں۔ آدمی سو کر اٹھتا ہے تو فجر کی نماز کے لیے بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ عرض گزار ہوتا ہے اور پھر دن بھر کے کاموں پر نکل جاتا ہے۔ ظہر کے وقت وقفہ ہوتا ہے تو پھر حاضر ہو جاتا ہے۔ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ! آدھا دن گزر گیا، میں نے کام بخوبی کر لیا۔ آپ کا شکر ہے آپ نے صحت و عافیت سے رکھا۔ صلاحیتیں اور قوت دی اور میں کام میں مصروف رہا۔ عصر کو کام سے چھٹی ہوئی تو پھر بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہو گیا۔ مغرب کو دن ختم ہوا تو پھر حاضر ہو گیا، آپ کا احسان ہے دن سلامتی سے گزر گیا۔ سونے جا رہا ہے تو پھر حاضری لگواتا ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہیں کہ حضورِ حق حاصل رہے۔ جب ہم دنیا کے کام کر رہے ہوں تو ان کاموں میں اللہ کا وہ حضور ہمارے دل میں، ہمارے ذہن میں موجود ہو اور ہم سارے کام شریعت کے مطابق کریں۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت:45) یقیناً صلوٰۃ (نماز) بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ اسی طرح روکتی ہے کہ ابھی بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہونا ہے تو کیا عرض کروں گا۔ عبادت کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کی مکمل اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ اصل عبادت امورِ دنیا کو اللہ کے حکم کے مطابق انجام دینا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ جیسی عبادات اسی اطاعت کی خاطر ہیں۔ ان عبادات سے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کی کیفیت حاصل رہے۔ اس خیال کے تحت ہم امورِ دنیا کو دیانت داری سے انجام دیں۔

جب بات یہاں آتی تھی تو کفار اَڑ جاتے تھے کہ ہمارے باپ دادا کا بنایا ہوا نظام ہے، بہتر ہے۔ ہم اسے کیوں چھوڑیں۔ ہم اقوامِ عالم سے آزاد ہیں، خوشحال ہیں، مال و دولت رکھتے ہیں۔ ایسے مضبوط ہیں کہ کوئی ہمارے ملک کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ یہ لوگ اس بات پر اللہ کے نبیوں سے جھگڑتے تھے کہ آپ ہمارے نظام کو کیسے خراب اور غلط کہہ سکتے ہیں۔ بات نظامِ حیات میں اللہ کی بڑائی ماننے کی تھی۔ صرف نماز روزے پر ہوتی تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

ہم بھی یہیں پھنسے ہوئے ہیں۔ نماز روزہ ہم کرتے ہیں۔ ہم بتوں کی پوجا نہیں کرتے لیکن عملی زندگی میں ہم اسلامی نظامِ حیات کو اپنی زندگیوں میں آنے نہیں دیتے۔ وہ لوگ تو نماز روزہ بھی نہیں کرتے تھے۔ ان قوموں میں اتنی حیا تھی کہ جو کلمہ پڑھ لیتا تھا پھر وہ عملی طور پر کلمہ کا پاس کرتا تھا، لحاظ رکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے لوگ شرک و کفر میں مبتلا تھے سوائے چند

اکابر صحابہؓ کے جو عہدِ جاہلیت میں بھی بت پرستی میں مبتلا نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں نے جب کلمہ پڑھ لیا تو پھر انہوں نے کبھی سرِ مُو انحراف نہیں کیا۔ وہ قومیں ہم سے اس لحاظ سے بہتر تھیں کہ وہ مانتے تھے کہ اللہ سے وعدہ کر کے پھر وعدہ خلافی نہیں ہو سکتی۔ ہم اس لحاظ سے گئے گزرے ہیں کہ سارا دن لا الہ الاّ اللہ کی تسبیح پڑھا کرتے ہیں اور عملی زندگی میں اپنی مرضی کرتے ہیں۔ جب ہم جھوٹ بولتے ہیں تو کہاں ہے ہمارا یہ کہنا: لا الہ الا اللہ۔ جب ہم رشوت لیتے ہیں، اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، کم تولتے ہیں، اللہ کے حکم کے خلاف عمل کرتے ہیں تو پھر کہاں ہے عبادات کا نتیجہ، کہاں ہے تسبیح کا اثر؟ اُن کے نبیوں نے ان قوموں سے یہی فرمایا کہ اللہ واحد و لاشریک کی خلوصِ دل سے اطاعت کرلو، یہی عبادت ہے۔ نماز، روزہ عبادات ہیں اور اصلاحِ احوال کے لیے بنیاد ہیں، ضروری ہیں۔ لیکن کیا نماز روزے کے نتائج ہمارے کردار میں موجود ہیں؟ یہ آیہء مبارکہ ہمیں یہ غور کرنے کی دعوت دے رہی ہے۔ قرآنِ حکیم میں جا بجا یہی پیغام موجود ہے اور نہ ماننے والوں کے انجام کی خبر بھی موجود ہے۔ نظامِ حیات پر دنیا کا ہر کافر جھگڑا کرتا ہے۔ پہلے منکرین بھی یہی کہتے تھے کہ اگر ہم آپ کو صحیح مان لیں، آپ کی دعوت کو درست مان لیں تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ ہمارے آباء و اجداد دوزخ میں چلے گئے۔ ہم یہ کیسے مان لیں۔ جب فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کو جواب نہ دے سکا تو اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا: قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى (طٰہٰ:51) (فرعون) کہنے لگا اچھا تو پہلے لوگوں (جو گزر چکے) کا کیا حال ہوا؟ فرعون کا خیال تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کہیں گے، وہ سارے دوزخی ہیں تو سارے اہلِ دربار موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو جائیں گے۔ لیکن آپؑ نے فرمایا: قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (طٰہٰ:52) یعنی یہ کہ جو گزر چکے ان کا معاملہ ان کے ربّ کے ساتھ ہے۔ وہ جانے اس کی مخلوق جانے۔

دنیا سے گزر جانے والوں کے لیے کوئی رائے قائم نہ کی جائے:

آپؑ نے فرمایا، ان کا معاملہ ان کے پروردگار کے ساتھ ہے۔ میں اُن گزر چکے لوگوں کی طرف مبعوث نہیں ہوا، تمہاری طرف مبعوث ہوا ہوں۔ یہاں سے یہ اصول ملتا ہے کہ دنیا سے گزر جانے والوں کے بارے کوئی رائے قائم نہ کی جائے۔ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ کسی شخص کو کافر سمجھتے ہیں لیکن وہ مسلمان ہو چکا ہوتا ہے۔ بعض ایسی شخصیات تھیں جو مسلمان ہو چکی تھیں لیکن مغرب کی تاریخ نے ان پر مٹی ڈلوا دی۔ مثلاً نپولین، موت سے پہلے مسلمان ہو گیا تھا، کیا کسی مغربی تاریخ نے بتایا؟ جاپان کا انوکی پہلوان مسلمان ہو گیا تھا۔ کیا کسی غیر مسلم میڈیا نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے ہم نہیں جانتے لیکن وہ مسلمان ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہم مسلمان سمجھتے ہیں، وہ ہوتے نہیں ہیں لہٰذا بندے

کا حق نہیں ہے کہ دنیا سے جانے والوں پر رائے دے۔ ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ ہر مومن کے لیے ہم حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ اللہ اسے بخش دے۔ کافر کے لیے اللہ نے فرما دیا ہے کہ اسے نہیں بخشوں گا۔ یہ اس کا فیصلہ ہے۔ اب کافر کون ہے، کون نہیں؟ یہ وہ جانے اس کی مخلوق جانے۔ یہ جاننا ہمارے بس میں نہیں۔

پھر کہنے لگے کہ اگر اللہ کو ہمارا نظامِ زندگی منظور نہ ہوتا، ہمارے طور اطوار پسند نہ ہوتے تو وہ آسمان سے کوئی فرشتہ اتار دیتا جو ہمیں کہتا کہ غلط کر رہے ہو پھر تو کوئی بات بھی تھی لیکن آپ تو ہماری قوم کے ایک فرد ہیں۔ اسی معاشرے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء و اجداد بھی اسی قوم کے فرد تھے۔ آپ کے کچھ رشتہ دار آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ اکیلے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں آپ ہم سب کو کیسے تبدیل کر سکتے ہیں۔ ہم آپ کی بات نہیں مانتے۔ یہ جملہ کہ ہم آپ کی بات نہیں مانتے۔ صریح کفر ہے۔ ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے کہ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی آخر کار نہ ماننے کے جملے ادا کروانے پر منتج ہو جاتی ہے۔ اسلام کو عملی زندگی سے دور رکھنا، احکامِ الٰہی سے منہ موڑے رکھنا، امورِ زندگی شریعت کے خلاف انجام دینا۔ یہ کیا ہے؟ اس پر ہم میں سے ہر ایک کو غور کرنا چاہیے۔

قومِ عاد محض تکبر کے باعث اس انجامِ بد کو پہنچی۔ فرمایا: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ⑮ پھر جو عاد تھے سو وہ زمین (دنیا) میں ناحق تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے ہم سے بڑھ کر کون طاقت والا ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا فرمایا وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے اور وہ ہماری آیتوں کا (ضد سے) انکار کرتے رہے۔

وہ لوگ ڈیل ڈول میں نہایت قد آور، مضبوط، قوت و طاقت والے تھے۔ کھجور کا درخت یوں اکھاڑ لیتے جیسے ہم گاجر، مولی زمین سے اکھیڑ لیتے ہیں۔ ان کی سائنسی ایجادات، مادّی ترقی، خوبصورت پُر آسائش گھر، عیش و عشرت کے تکبر نے انہیں تباہ کر دیا۔ انہیں یہ غرور ہو گیا کہ ان جیسا طاقتور کرۂ ارض پر کوئی اور نہیں! وہ سمجھتے تھے کہ کون ہے جو ان کے جیسی سیاسی قوت ہو۔ جس کے پاس اتنی مالی فراوانی ہو، ان کے جیسا قانون، نظامِ زندگی اور معاشرہ ہو۔ کہتے تھے کون ہے جو ہمارے مقابلے پر آئے؟ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ جس نے انہیں یہ ساری نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان سے کتنا طاقتور ہے۔

یہ سبق آج کے لیے بھی ہے کہ لوگو! تم مخلوق ہو۔ تم نہیں تھے تو اس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ تمہیں اعضاء و جوارح دیے، عقل و شعور اور دماغ دیا۔ قد کاٹھ اور قوت دی۔ وہ خالق و مالک تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس سے ٹکر نہ لو!

اللہ کریم نے فرمایا وہ لوگ ضد میں آ کر میری آیات کا انکار کرتے رہے۔ اسے کفر جحودی کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کی طاقت کو سمجھ کر محض اس لیے انکار کرنا کہ اللہ کی بڑائی مان لی تو اپنی بڑائی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کفر کا ایک سبب جہالت ہے کہ بندے نے بات سمجھی نہیں اور انکار کر دیا۔ کفرِ جحودی میں بندہ بات سمجھ کر انکار کرتا ہے۔ جس کی واضح مثال ابوجہل ہے۔ ایک مرتبہ اکیلا پریشان بیٹھا تھا۔ اس کا کوئی دوست آ بیٹھا اور کہا تم تو ابوالحکم ہو، اگر تم پریشان ہو گئے تو عام آدمی کا کیا حال ہوگا؟ اس نے کہا میری پریشانی بلاوجہ نہیں ہے۔ پریشانی اس ایک ہستی کی وجہ سے ہے جس نے ہمارے نظام کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کبھی سوچا نہیں جا سکتا تھا کہ صدیوں سے چلنے والا اتنا مضبوط نظام زندگی، ہمارے تجارتی قاعدے، سیاست و معیشت، عدالت و عبادت کے سارے نظام اتنے (Smooth) ہموار چل رہے تھے اس ایک شخص نے آ کر سب کچھ ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس نے کہا، ابوالحکم! کتنے لوگ تمہارے اشارے پر قتل کر دیے گئے، کتنوں کو تم نے خود قتل کر دیا، اس ایک فرد کی تمہارے نزدیک کیا حیثیت ہے؟ ابوجہل نے گھبرا کر کہا، تم کیا سمجھتے ہو میں نے اسے قتل کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہے؟ لیکن وہ محض ایک فرد نہیں، وہ اللہ کا نبی (علیہ السلام) ہے مجھ سے مارا نہیں جاتا۔ وہ شخص حیران ہو گیا۔ اس نے کہا جب تم جانتے ہو کہ یہ اللہ کا نبی (علیہ السلام) ہے اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تو پھر مانتے کیوں نہیں؟ ابوجہل نے کہا، میں مان لوں تو خود مر جاؤں گا، میرا سارا نظام مر جائے گا، میرے باپ دادا کے رسم و رواج مر جائیں گے۔ میں جانتا ہوں، مانوں گا نہیں۔ ماننا میری موت ہے پھر میں نہیں رہوں گا پھر اس کا غلام ہو جاؤں گا۔ اسے کہتے ہیں کفرِ جحودی۔

ہمیں اس آیہء مبارکہ کو آئینہ بنا کر خود کو یہاں دیکھنا چاہیے۔ ہم شریعت کے احکام جانتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ یہ عقیدے کا کفر نہیں ہے۔ یہ عمل کفر میں داخل ہے۔ بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ بندہ اس سے کافر نہیں ہوتا لیکن وہ عمل کافر جیسا ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃ (مسلم) بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ دوسری مرتبہ فرمایا: فَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ کَفَرَ (الترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اس نے کافرانہ طریقہ اختیار کیا۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ جِهَارًا (الطبرانی) یعنی اس نے کفار جیسا کام کیا۔ نماز چھوڑ دینے سے بندہ کافر نہیں ہو جاتا لیکن نماز نہ پڑھنا ایسا کام ہے جیسا کافر کرتے ہیں۔

قومِ عاد جن کو اپنی قد و قامت پر ناز تھا، اپنی طاقت کا غرور تھا انہیں عذاب نے آ لیا اور وہ تباہ ہو کر رہ گئے۔ فرمایا: فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ سو ہم نے ان پر نحوست کے دنوں میں بہت زور کی

ہوا چلائی تا کہ ہم ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھا دیں۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی۔

دنوں میں نحوست نہیں ہے۔ یہ ان کا کردار تھا کہ ان کی زندگی کے وہ دن منحوس ثابت ہوئے۔ اللہ کریم نے ان پر ہوا چلا دی۔ وہی ہوا جو پہلے ان کے لیے زندگی کا سبب تھی اسی ہوا نے ان توے توے فٹ کے آدمیوں کو زمین سے اٹھایا اور سینکڑوں فٹ فضا میں لے جا کر میلوں دور پہاڑوں سے پٹخ دیا۔ وہ عذاب الٰہی سے تباہ و برباد کر دیے گئے۔ اللہ کریم نے فرمایا، ہم نے انہیں دنیا میں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے، پٹخ پٹخ کر مار دینے کے لیے ان کی زندگی کے منحوس دنوں میں ان پر تیز ہوا چلا دی۔ رہی بات آخرت کی تو آخرت کا عذاب اس سے زیادہ ذلیل کرنے والا ہے اور مزید یہ کہ آخرت میں کوئی کسی کافر کی مدد بھی نہ کر سکے گا۔

قومِ ثمود کو بھی اللہ نے حق کا راستہ دکھایا لیکن انہوں نے حق کے بدلے گمراہی کو پسند کیا۔ فرمایا: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾ اور جو ثمود تھے تو ان کو ہم نے سیدھا راستہ بتایا سو انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنے (گمراہی) کو پسند کیا تو ان کی بدکرداریوں کی سزا میں ان کو کڑک کے ذلت والے عذاب نے آ پکڑا۔

فرمایا، ہم نے ثمود کے لیے انبیاؑ بھیجے، کتابیں بھیجیں، ہدایت کے دروازے وا کیے، صراط مستقیم واضح کی، عقائد اور اعمال بتائے لیکن انہوں نے ہدایت کی بجائے اندھے پن یعنی گمراہی کا انتخاب کیا۔ انبیاؑ جو بتا رہے تھے وہ ہدایت تھی، روشنی تھی۔ اس کے مقابلے پر اندھیرا تھا کفر تھا۔ انہوں نے اندھیرے کو پسند کیا جس میں بھٹک رہے تھے۔ اسی میں رہنے کا فیصلہ کیا اور اسی اندھیرے کی نذر ہو گئے۔

نورِ نبوت روشنی ہے، کفر اندھیرا ہے:

دنیا میں ہر شخص دو باتوں کا متلاشی رہتا ہے۔ اسے تلاش ہوتی ہے کہ اس کی عزت رہے، آبرو رہے، مقام رہے۔ دوسری خواہش ہوتی ہے کہ آرام نصیب ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو روشنی میں آ جائے، دیکھ کر کام کرے، اس کی عزت بھی باقی رہتی ہے، اسے آرام بھی ملتا ہے۔ جو اندھیرے میں گھس جائے، وہ ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے تو اس کی عزت کون کرے گا اور اسے آرام کیسے ملے گا۔ تمام انبیاؑ نے اللہ کا نور تقسیم فرمایا۔ بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلم پر نور مکمل ہوا۔ معاملات دنیا میں گھر سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی سطح تک کے احکام پہنچا دیے۔ عدالت، معیشت، میل جول، تعلیم و تربیت، کون سا پہلو ہے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روشن نہیں کر دیا۔ زندگی کا کون سا شعبہ ہے جس پر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی موجود نہیں۔ اب عزت اسی کی ہوگی جو نورِ نبوت کی روشنی میں چلے گا، آرام بھی اسی کو نصیب ہوگا جو اس روشنی میں سیدھا راستہ پائے گا، اس پر چلے گا۔ اور جو اندھیرے میں رہے گا وہ کبھی کسی کھڈ میں گرے گا، کبھی کسی دیوار سے ٹکرائے گا۔ خلافِ شریعت چلنے میں آبرو ہے نہ آرام۔ اب یہ لوگوں کی مرضی ہے کہ وہ کس راستے کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو جانتا ہے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ بھرم بنائے رہتا ہے۔ ہر شخص کو غلط فہمی ہے کہ وہ بہت بڑا ہے۔ کسی اعلیٰ عہدے پر فائز شخص کو زعم ہے کہ وہ بڑا افسر ہے تو اسی دروازے پر کھڑے چپراسی کو بھی یہی وہم ہے کہ وہ اُس سے بہتر ہے۔ ہر لڑکی کو غلط فہمی ہے کہ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے اور ہر لڑکا خود کو دنیا کا بہادر ترین لڑکا سمجھتا ہے۔ یہ غلط فہمیاں عام ہیں۔ ہر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ موج کر رہا ہے لیکن موج میں ہے تو پھر معاشرے سے ڈرتا کیوں ہے، نقصان کا اندیشہ کیوں کھائے جا رہا ہے؟ اگر سارے خوف موجود ہیں تو موج کیسی؟

فرمایا: قومِ ثمود نے روشنیوں کے بجائے تاریکیوں کا راستہ چنا تو ہم نے ان پر ایک کڑک کا عذاب بھیج دیا۔ آسمان سے ایک گرج یک لخت آئی جو اتنی شدید تھی کہ زمین کے سینے بھی پھاڑ دیے۔ انسان تو پھر انسان تھے۔ ان کے دل پھٹ گئے۔ مر کر تباہ ہو گئے۔ یہ اور کچھ نہیں صرف ان کے کردار کا نتیجہ تھا۔

بعثتِ عالی کی خصوصیات میں سے ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قیامت تک قوموں پر اجتماعی عذاب نہیں آئے گا۔ گزشتہ اقوام کی طرح کڑک کا عذاب، ہوا کی تندی سے کوئی قوم تباہ نہیں ہوگی نہ کسی قوم پر زمین میں دھنسنے کا عذاب آئے گا۔ اس کے باوجود انتباہ ہوتا رہتا ہے۔ اللہ کریم کہیں کسی علاقے میں زلزلہ بھیج کر، کہیں سیلاب بھیج کر متنبہ کرتے رہتے ہیں کہ نافرمانیوں سے باز آجاؤ۔

فرمایا جا رہا ہے، اللہ کا قانون یاد رکھو! وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے رہے ہم نے ان کو بچا لیا۔

جب سے معمورۂ عالم آباد ہے۔ لوگوں نے نافرمانیاں کر کے اپنے لیے عذاب کمائے۔ آسمان سے بجلیاں گریں، تیز ہواؤں نے اٹھا کر پٹخا، زمین میں دھنس گئے لیکن اسی قوم میں جو لوگ اللہ کے فرمانبردار تھے۔ نبیوں کا اتباع کرنے والے تھے وہ محفوظ رہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ جو لوگ ایمان پر قائم رہے، جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت پر کاربند رہے۔ اُن کو ہم سب عذابوں سے محفوظ رکھا۔ جو عذاب بھی آئے، نافرمانوں پر ہی آئے۔ اسی بستی کے فرمانبردار لوگوں کی ہم نے حفاظت فرمائی۔ یقیناً اللہ کی اطاعت میں پناہ ہے نافرمانی میں نہیں!

سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 3 آیات 19 تا 25

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیَوۡمَ یُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَہُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوۡہَا
شَہِدَ عَلَیۡہِمۡ سَمۡعُہُمۡ وَاَبۡصَارُہُمۡ وَجُلُوۡدُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۰﴾
وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِہِمۡ لِمَ شَہِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا ؕ قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ
کُلَّ شَیۡءٍ وَّہُوَ خَلَقَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا کُنۡتُمۡ
تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ یَّشۡہَدَ عَلَیۡکُمۡ سَمۡعُکُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُکُمۡ وَلَا جُلُوۡدُکُمۡ
وَلٰکِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعۡلَمُ کَثِیۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِکُمۡ ظَنُّکُمُ
الَّذِیۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّکُمۡ اَرۡدٰىکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ
یَّصۡبِرُوۡا فَالنَّارُ مَثۡوًی لَّہُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّسۡتَعۡتِبُوۡا فَمَا ہُمۡ مِّنَ الۡمُعۡتَبِیۡنَ ﴿۲۴﴾
وَقَیَّضۡنَا لَہُمۡ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوۡا لَہُمۡ مَّا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ وَحَقَّ
عَلَیۡہِمُ الۡقَوۡلُ فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ۚ اِنَّہُمۡ
کَانُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾

اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے تو قسم قسم کر لیے جائیں گے ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ سب کے قریب آ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال پر گواہی دیں گے ﴿۲۰﴾ اور (اس وقت) وہ لوگ اپنے چمڑے (اعضاء) سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی جس نے ہر چیز کو

بولنے کی طاقت بخشی اور اُسی نے تم کو پہلی بار پیدا فرمایا تھا اور اُسی کے پاس پھر لائے گئے ہو ﴿۲۱﴾ اور تم اس (بات کے) خوف سے تو پردہ نہیں کرتے تھے کہ کہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی نہ دیں، بلکہ تم یہ سمجھتے رہے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر ہی نہیں ﴿۲۲﴾ اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے تم کو برباد کیا پس تم خسارہ پانے والوں میں ہو گئے ﴿۲۳﴾ پھر اگر یہ لوگ صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر یہ عذر کریں تو بھی ان کا عذر قبول نہ کیا جائے گا ﴿۲۴﴾ اور ہم نے (دنیا میں) کچھ شیطانوں کو ان کے ساتھ مقرر کر رکھا تھا سو انہوں نے ان کی نظر میں ان کے اگلے اور ان کے پچھلے اعمال خوب صورت کر دیے اور ان لوگوں کے ساتھ بھی ان کے حق میں (اللہ کا) وعدہ پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن و انسان (کفار) ہو گزرے ہیں (جیسا کہ ان کے ساتھ ہوا) بے شک وہ سب خسارہ میں رہے ﴿۲۵﴾

تفسیر و معارف

قرآنِ حکیم جب ارشاد فرماتا ہے تو بڑی صاف بڑی سیدھی اور کھری بات ارشاد فرماتا ہے۔ قرآنِ کریم تکلفات سے پاک ہے۔ جو فرماتا ہے وہ سراپا حق ہوتا ہے۔ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۔۔۔ اُس میں ادنیٰ سے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اللہ اس کی سمجھ دے دے تو ہر شخص کے اصلاحِ احوال کے لیے یہ آیہء کریمہ کافی ہے۔ فرمایا: وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے تو قسم قسم کر لیے جائیں گے۔

اللہ سے دشمنی کس نے کی؟

یہ بڑی توجہ طلب بات ہے۔ اللہ سے دشمنی کس نے کی؟ اللہ کیوں اُسے اپنا دشمن کہتا ہے؟ مخلوق ہے، عاجز ہے۔ اُس کے رزق پر پلتی ہے۔ اُس کی دی ہوئی توفیق سے سانس لیتی ہے۔ اُس کے دیے ہوئے اعضا و جوارح استعمال کرتی ہے۔ اللہ کسی چیز کو روک دے تو فوراً رک جائے لیکن انسانیت کا امتحان اور آزمائش ہی یہی ہے۔ وہ

ربّ العالمین ہے۔ ہر ایک کو پالنا اُس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے لیکن انسان کو چونکہ باقی ساری مخلوق میں سے الگ ایک ایسی نعمت عطا کی ہے جو سوائے انسان کے کسی کے پاس نہیں ہے۔ فرشتوں کے پاس بھی نہیں ہے اور وہ ہے معرفتِ الٰہی کی استعداد۔ اللہ کی ذات کو جاننے اور پہچاننے کا شعور! حاملینِ عرش ملائکہ بھی حکم کے تابع ہیں۔ کسی میں جرأت نہیں ہے کہ نگاہ اُٹھا کر دیکھے حاکم کون ہے۔ حکم آتا ہے تعمیل کرتے ہیں۔ انسان کو یہ شعور بخشا کہ نگاہ اٹھا کر دیکھے کہ کون مجھے حکم دے رہا ہے۔ وہ کیسا ہے؟ وہ کس حیثیت میں مجھے حکم دے رہا ہے! یہ قوت صرف انسان کو دی۔ جب معرفتِ حق کی استعداد دی تو اتنا ہی بڑا امتحان بھی ڈال دیا۔ اُس کے سامنے دنیا سجا دی لوگ کہتے ہیں دنیا بڑی خراب ہے، غلط کہتے ہیں۔ دنیا بڑی خوبصورت ہے۔ دنیا بڑی لذیذ ہے۔ دنیا لذتوں سے پُر ہے۔ دنیا اتنی حسین اتنی پیاری ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کے مقابلے میں آ گئی اور کتنی مخلوق کو اس نے گمراہ کر دیا۔ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اس پر فدا ہو گئے۔

بس یہی آزمائش ہے۔ جس نے اللہ کی اطاعت چھوڑی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑا اور دنیا میں غرق ہو گیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ میرا دشمن ہے۔ اس نے مجھ سے مقابلہ جوڑ لیا ہے۔ میری مخلوق کو میرے مقابلے میں لا کر پوج رہا ہے، میں نے اِسے استعداد بخشی تھی اپنی ذات کے لیے، اس نے وہاں بت بسا لیے۔ انسانی فطری استعداد یہ ہے کہ ہر بندہ چاہتا ہے، کوئی غائبانہ طاقت ہو جو میرا تحفظ کرے جو میری مدد کرے، جو میری ضرورتوں میں میری راہنمائی بھی کرے۔ میری ضرورتیں پوری کرے۔ اب اُس جگہ کوئی بت کا نام لکھ لیتا ہے کوئی دیوتا کا نام لکھ لیتا ہے۔ بعض گمراہ فرقے ایسے ہیں جو اپنے راہبر وراہنماؤں، پیروں فقیروں کے نام لکھ لیتے ہیں اُنہیں ہی سجدے کرتے رہتے ہیں۔ کچھ محض مذہب کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے دنیوی لذّات میں کھو جاتے ہیں۔ وہ ساری عمر اقتدار اختیار اور دولت جمع کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ یہاں اللہ کریم اگر فرماتے کہ یہ میرے نافرمان ہیں تو شاید کچھ گنجائش ہوتی کہ نافرمانی جرم ہے اور جرم کی سزا بھی ہو سکتی ہے اور جرم معاف بھی ہو سکتا ہے۔ لوگ قتل کرتے ہیں، قتل ہو جاتا ہے۔ ورثا کو حق ہے وہ معاف کر دیتے ہیں۔ جسے سزائے موت مل چکی ہو اگر مقتول کے ورثا معاف کر دیں تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جرم میں گنجائش ہوتی ہے، معاف ہو سکتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ مجرم نہیں ہیں یہ میرے دشمن ہیں۔ دشمن تو رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ دشمن سے رعایت اپنے آپ کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ میرے دشمن ہیں۔ انہوں نے میرے ذاتی کلام کا انکار کیا میں نے ربّ العالمین ہو کر اس ادنیٰ سی مخلوق سے باتیں کیں اسے اپنی عظمت کا احساس دلایا۔ اس کی تخلیق کی۔ اِس پر کتنا احسان کیا۔ پھر میں ہمیشہ اِسے پال رہا ہوں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کر رہا ہوں۔ اسے کتنا خوبصورت بدن دیا۔ اِسے والدین دیے، اِسے اولادیں دیں۔ اِسے سسرال دیے، اِسے ننھیال دیے، اسے ددھیال دیے۔ میں نے دنیا میں اسے بسا دیا۔

ایک عالم اس کے سامنے رکھ دیا اور یہ سارے احسانات بھول کر میرے ہی احکام کا انکار کر رہا ہے تو یہ انکار نہیں یہ میرے ساتھ مقابلے میں آ گیا۔ دشمن وہی ہوتا ہے جو مقابلے میں آ جائے۔ فرمایا، یہ میرا دشمن ہے۔ پتا اُس دن چلے گا جب اللہ کے دشمنوں کو دوزخ میں جھونکنے کے لیے جمع کیا جائے گا تو ان کی اقسام کر دی جائیں گی۔

اللہ کے دشمنوں کی اقسام:

قابلِ توجہ بات ہے۔ انکار کر دیا پھر قسمیں کون سی ہیں؟ انکار کی بہت سی قسمیں ہیں۔ کچھ سیدھا انکار کر دیتے ہیں، میں اللہ کے کلام کو نہیں مانتا، میں اللہ کے نبیؐ کو نہیں مانتا۔ کچھ تھوڑے سے Polite ہو جاتے ہیں کہتے ہیں ٹھیک ہے اللہ کا کلام ہے ٹھیک ہے، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتاتا ہے لیکن کریں گے ہم اپنی مرضی۔ یہ الگ قسم آ گئی جو یہ کہتے ہیں کہ بات ٹھیک ہے، قرآن کو مانتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، ساری بات ٹھیک ہے لیکن ہم بھی تو کچھ ہیں! صرف اللہ کی مرضی ہی کریں اللہ کے رسول کی مرضی ہی کریں؟ ہماری اپنی مرضی کیوں نہ ہو؟ کریں گے ہم اپنی مرضی! قرآن فرماتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (البقرہ:93) کہتے ہیں، جی ہم نے سُن لیا لیکن ہم مانیں گے نہیں۔

پھر ان نہ ماننے والوں میں بہت سی قسمیں ہیں۔ کچھ لوگ اتنا تو مان لیتے ہیں کہ نماز پڑھنی چاہیے، روزہ بھی رکھنا چاہیے، زکوٰۃ بھی دے دیتے ہیں۔ سال میں عمرے بھی دو چار کر آئیں گے۔ حج بھی کریں گے لیکن جب بازار جائیں گے، دفتر جائیں گے، دُکان جائیں گے وہاں اللہ کی مرضی نہیں چلے گی وہاں اپنی مرضی چلائیں گے۔ دفتر وغیرہ میں رشوت بھی لیں گے۔ بازار میں ڈنڈی بھی ماریں گے۔ لوگوں کا مال لوٹیں گے، لوگوں کی عزتیں لُوٹیں گے اور کہیں گے کہ خیر ہے۔ پھر جا کر عمرہ کر آئیں گے۔ یہ مختلف قسمیں ہو گئیں۔ یہ ساری انکار کی قسمیں ہیں۔ انکار کیا ہوتا ہے؟ نہ ماننا، اب اُس کی ایک واضح ظاہر قسم تو ہے کوئی سامنے کہہ دیتا ہے، میں نہیں مانتا۔ ایک شخص کو میں کہتا ہوں مجھے پانی لا دو۔ وہ بالکل جی! بسر و چشم جی ابھی آیا بڑا میٹھا ٹھنڈا پانی لے کے، لاتا نہیں ہے تو کیا اُس نے بات مانی؟ زبانی تو اُس نے تسلیم کیا عملاً نہیں مانا۔ تو یہ جتنے گناہ ہم سے ہوتے ہیں یہ اس اللہ کی دشمنی میں آ جاتے ہیں۔ اسی لیے علمائے حق فرماتے ہیں کہ گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو۔ گناہِ کبیرہ، گناہِ صغیرہ فہرستیں بنی ہوئی ہیں کہ یہ گناہ بڑے ہیں۔ یہ گناہ چھوٹے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ یہ نافرمانی کس عظیم ذات کی ہے تو کوئی گناہ چھوٹا نہیں رہتا! یہ تو پل پل کا حساب ہے۔ گھڑی گھڑی کی محسوسات ہیں، Feelings ہیں، احساسات ہیں کہ کس لمحے ہم نے کیا محسوس کیا! کون سا لمحہ تھا جب ہم چاہتے تھے کہ اللہ کی اطاعت کریں اور کون سی گھڑی تھی جب ہم عظمتِ الٰہی کو بھول کر، برائی اور خواہشاتِ نفس پر اور شیطان کے کہنے کے پیچھے چلنے پر تُل گئے؟

اس کا کرم پھر اس کا کرم ہے:

وہ بڑا کریم ہے۔ اُس کے کرم کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہم نہیں سوچ سکتے۔ ہم مخلوق ہیں جتنا بھی سوچیں گے دائرۂ تخلیق کے اندر ہوگا۔ وہ خالق ہے اُس کی ذات بھی سوچوں سے ورالوریٰ ہے اُس کی صفات بھی ہماری سوچوں سے وراالوریٰ ہیں۔ وہ فرماتا ہے، تُو ساری زندگی علی الاعلان نافرمانی کرتا رہا، پوشیدہ کرتا رہا، ظاہر کرتا رہا، ایک دفعہ نادم ہو کر آ جا، ایک بار تُو سب کو چھوڑ کر، بڑھاپے میں سہی، آخری عمر میں، کبھی تو میرے پاس آ جا، مرنے سے پہلے، میرے پاس آ جا اور کہہ، یا اللہ! میں شرمندہ ہوں مجھے معاف کر دے، میں دشمنوں سے خارج کر دوں گا کہ یہ میرا ہو گیا یعنی جتنا معاملہ پیچھے سخت نظر آتا ہے اُس سے کروڑوں گنا بڑی رعایت آگے نظر آتی ہے۔ پھر اگر کوئی بدنصیب توبہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے استغفار پڑھتے رہا کرو۔ مفہوم ہے آپ کے ارشادِ عالی کا کہ استغفار پڑھتے رہا کرو۔ دانستہ نادانستہ جو غلطیاں ہو جاتی ہیں اُن کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ توبہ کرتے رہا کرو بخشش مانگتے رہا کرو۔

فرمایا، جب ہم اللہ کے دشمنوں کو جمع کریں گے دوزخ میں جھونکنے کے لیے، پھر اُن کو الگ الگ قسموں میں کھڑا کریں گے۔ اس نے صریح انکار کر دیا تھا، اِس نے زبانی کہا تھا مانتا ہوں عملاً نہیں مانتا تھا۔ یہ کچھ مانتا تھا، کچھ نہیں مانتا تھا۔ یہ اس سے زیادہ نہیں مانتا تھا، تھوڑی مانتا تھا۔ اللہ جانے کتنی قسمیں بن جائیں گی۔ لوگ کتنی قسموں میں بانٹ دیے جائیں گے۔

انسان کا وجود اس کے خلاف گواہی دے گا:

لوگ کہیں گے یا اللہ! میں نے ایسا نہیں کیا، میں نے ایسا نہیں کیا، میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا۔ شور کریں گے ہجوم کریں گے بارگاہِ الٰہی میں کہ بارِالٰہا! دوزخ سے بچا۔ جو دکھاوے کی عبادتیں کیا کرتے تھے وہ کہیں گے۔ میں تو عمرے بھی کرتا تھا، میں تو اذانیں بھی دیتا تھا میں تو نمازیں بھی پڑھتا تھا۔ یعنی جنہوں نے انکار کیا انہوں نے تو کیا جنہوں نے زبانی نہیں کیا عملاً انکار کیا وہ سارے بھی چلائیں گے فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ یہاں تک کہ جب وہ سب اس کے قریب جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال پر گواہی دیں گے جب سارے بارگاہِ الٰہی میں اکٹھے ہو جائیں گے جمع ہو کر شور کریں گے یا اللہ! یہ بھی نہیں کیا، یہ بھی نہیں کیا۔ اللہ کریم فرمائیں گے، اچھا ٹھہر جاؤ تمہارے گھر سے گواہ لاتے ہیں:

جوتمہارے منہ سے نکلا وہ تمہارے کانوں نے تو سُنا تھا تمہارے کانوں کو حکم دیتے ہیں وہ شہادت دیں تم کیا کہتے تھے۔اُن کی اپنی قوتِ سماعت اُن پر گواہ بن جائے گی۔یا اللہ! اِنے یہ بھی کہا، یہ بھی کہا، یہ بھی کہا۔ نگاہیں گواہ بن جائیں گی۔اللہ! اِس نے یہ بھی دیکھا، یہ بھی دیکھا، یہ بھی دیکھا۔کھال، بدن کی کھال گواہ بن جائے گی۔کیا Feelings تھیں، اُس سننے اور اُس دیکھنے کی لذتیں کیا تھیں؟ اِس نے، اِس کے وجود نے کیا Feel کیا جس پر یہ خوش ہوتا تھا؟ اس کی Feelings کیا تھیں جن پر یہ نافرمانی کر کے اکڑتا تھا؟ یہ ساری گواہیاں اس کے اعضا دیں گے۔کان گواہی دے دیں گے۔آنکھیں گواہی دے دیں گی۔کھال گواہ ہو جائے گی وہ اُن کا سارا کچا چٹھا بتا دیں گے۔اس نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا۔

وہ اپنے اعضا سے کہیں گے: وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۔۔۔اور (اس وقت) وہ لوگ اپنے چمڑے (اعضا) سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ تم کس خوشی میں گواہیاں دے رہے ہو، کیا تم بچ جاؤ گے؟ تم بھی تو ہمارے ساتھ دوزخ جاؤ گے۔کھال سے کہیں گے، تُو بھی جلے گی۔کان، تُو بھی جلے گا، آنکھ تُو بھی جلے گی۔تم کس بات پر، کس خوشی میں گواہیاں دے رہے ہو؟ وہ کہیں گے: قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۔۔۔وہ کہیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾

اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا فرمایا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو۔جس پروردگارِ عالم نے مخلوق کو گویائی عطا کی آج اُس نے ہمیں گویائی عطا کر دی ہے۔ہم میدانِ حشر میں جھوٹ تو نہیں بول سکتے۔یہ تو حشر کا میدان ہے بارگاہِ الٰہی ہے۔اُس نے ہمیں بولنے کی قوت دے دی ہے۔زبان بھی تو ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔اُسے قوتِ گویائی دے دی ہے اگر آنکھ کو سمع دے دے جِلد کو بصارت دے دے تو کیا مشکل ہے؟ قادر ہے۔اور پھر وہ کہیں گے کہ اے انسان! وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔۔۔تجھے پتا نہیں تھا کہ اُس نے تجھے پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، تو کہاں تھا؟ تیرا وجود ذرات سے بھی آگے ایٹموں میں پنہاں تھا۔کہاں کہاں سے روئے زمین سے اُس نے ایٹم کس کس شکل میں جمع کیے، اُن سے ایک محلول بنایا پھر اُس کے ایک Germ سے تجھے انسان بنا دیا تو تجھے پتا نہیں تھا: وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾ کہ جس نے یہ پیدا کیا ہے تجھے اس کے پاس واپس جانا ہے؟ کیا تو اپنے آپ آ گیا تھا؟ مرضی سے نہ آیا ہے مرضی سے نہ جائے گا؟ تجھے تو اُس نے پیدا فرمایا۔تیری تخلیق تیرے رجوع کا تقاضا کر رہی ہے۔تیرے سامنے زمین سے ہزاروں جڑی بوٹیاں پودے درخت پتے پھل نکلتے ہیں۔کہاں جاتے ہیں؟ واپس مٹی میں مل جاتے ہیں۔تیرے سامنے لاکھوں جانور پیدا ہوتے ہیں، تُو کون سی اِکائی ہے کیا تجھے خیال نہیں آیا کہ تجھے واپس جانا

ہے؟ تُو کیوں شکوہ کرتا ہے تُو کیوں بھول گیا تھا کہ تُو تخلیق ہے۔ تجھے اُس نے پیدا فرمایا اور تجھے واپس جانا ہے۔

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ ۔۔۔اور تم اس (بات کے) خوف سے تو پردہ نہیں کرتے تھے کہ کہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی نہ دیں۔ فرمایا، تم آنکھ، کان جلد سے تو پردہ کر نہیں سکتے تھے۔ اب ایسا تو کوئی کر نہیں سکتا کہ آنکھیں کسی طاق میں رکھ دے۔ کان کہیں الماری میں رکھ دے جلد اتار کر قمیض کی طرح Hanger پر لٹکا دے۔ یہ تو ممکن نہیں۔ یہ تو تمہیں پتا تھا کہ ان کے سامنے ہوگا جو میں کروں گا۔ اصل بات یہ ہے: وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ بلکہ تم یہ سمجھتے رہے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر ہی نہیں۔ تمہارا وہم یہ تھا کہ تمہارے کرتوت جو ہیں وہ اللہ سے چھپے ہوئے ہیں اللہ نہیں جانتا۔ تم اس جرأت پر کرتے تھے، تم آنکھ کان جلد وغیرہ وجود سے تو پردہ نہیں کر سکتے تھے لیکن تمہارا اصل قصور یہ ہے کہ تمہارے دل میں یہ بات تھی۔ لوگوں سے تو ہم چھپتے ہیں! کتنی باتیں لوگوں سے ہم چھپاتے ہیں کہ یہ بات مناسب نہیں ہے لوگوں کو پتا نہ چلے۔ چلو لوگوں کو ہم دھوکا دے لیتے ہیں جب اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں تو اللہ سے کیسے چھپیں؟ فرمایا، تمہیں یہی وہم تھا جس طرح لوگوں سے چھپ کر کر لیتے ہو، تمہارا خیال تھا کہ تمہارا جو کردار ہے اُس کی اکثر باتیں اللہ کے علم میں نہیں ہیں۔

ہر عمل کی بنیاد فکر پر ہے:

وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ ۔۔۔اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے رکھتے تھے تم کو برباد کیا۔ جو تمہاری سوچ تھی فکر تھی اپنے پروردگار کے بارے اس نے تمہیں برباد کر دیا۔ یاد رکھیں! ہر عمل کی بنیاد فکر پر ہوتی ہے۔ سب سے پہلے آدمی سوچتا ہے۔ اُس کے دل میں ایک جذبہ اُٹھتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے مجھے پانی پینا چاہیے۔ وہ محسوس کرتا ہے مجھے بھوک لگی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے مجھے نیند آئی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے مجھے یہاں یہ کام کرنا ہے۔ مجھے فلاں سے ملنا ہے۔ فرمایا، تمہاری وہ جو فکر تھی وہ غلط تھی۔ کام صحیح کیسے ہوتے بنیاد ہی ٹیڑھی تھی! اسلام ایک فکری انقلاب ہے۔ اسلام انسان کی سوچوں کو سیدھا کرتا ہے، فکر کو سیدھا کرتا ہے۔ سب سے گہرائی میں انسانی فکر ہوتی ہے، اُس کے دل کی اتھاہ گہرائی میں۔ جب وہاں سے سوچ ہی صالح آئے گی تو کردار نکھرتا جائے گا، صالح ہوتا جائے گا۔ یہی وہ جملہ ہے جو علمائے حق کہتے ہیں کہ اسلام فکری انقلاب ہے یہ اس کی تشریح ہے۔ قرآنِ کریم نے اِسے کہا ہے کہ فکر کو صالح کرو۔ سوچ کو صالح کرو۔ کبھی بیٹھ کر سوچو۔ تمہارے سامنے ساری دنیا بھی ہے۔ تمہارے سامنے بے شمار قبرستان بھی ہیں۔ تمہارے سامنے تمہارا خاندان بھی ہے تمہارے دیکھتے دیکھتے

کتنے لوگ چلے گئے نئے آ گئے۔ میں خود دیکھتا ہوں جس گاؤں میں مَیں پیدا ہوا، میں پلا بڑھا میں کھیلا کودا، بڑا ہوا جتنے لوگوں کو اُس وقت میں جانتا تھا اُن میں سے مجھے کوئی نظر نہیں آتا اور آج آبادی اُس سے زیادہ ہے۔ میرا واقف کوئی نہیں، میں کسی کو نہیں جانتا۔ کیا یہ میری فکر کے لیے کافی نہیں ہے کہ یہ سب لوگ کہاں گئے؟ جانا مجھے بھی وہیں ہے تو میں کیا کروں کہ دنیا سے با آبرو رخصت ہوں؟

ساری زندگی تو ہم آبرو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ساری زندگی عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ بات بھی کسی کو پتا نہ چلے میری بے عزتی ہو جائے گی۔ یہ کام بھی کسی کے علم میں نہ آئے، میری عزت باقی رہے۔ بھائی! عزت لوگوں میں رہنی چاہیے یا عزت اللہ کی بارگاہ میں رہنی چاہیے؟ کتنے خوش نصیب ہیں وہ جن کی عزت اُس بارگاہ میں ہے۔ جو اپنی عزت کو اُس کی بارگاہ میں بحال رکھتے ہیں۔ فرمایا، تمہاری یہ جو سوچ تھی کہ تم نے اپنے پروردگار کے بارے سوچا کہ ہمارے کرتوتوں کا اللہ کو کیا پتا: اَرْدٰىكُمْ ۔۔۔ اِس نے تمہیں تباہ کر دیا۔ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ پس تم خسارہ پانے والوں میں ہو گئے۔ آج تم خسارے میں ہو۔ اپنا نقصان کر کے آ گئے کسی کا کیا بگاڑا؟ اب جہنم میں کیا ہو سکتا ہے: فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ پھر اگر یہ لوگ صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر یہ عذر کریں تو بھی ان کا عذر قبول نہ کیا جائے گا۔ یعنی یہ صبر کریں یا عذر بہانے کریں۔ معافیاں مانگیں یا مغفرت چاہیں، تب بھی ناممکن ہے کہ ان کا عذر قبول ہو چیخیں چلائیں تو بھی دوزخ میں ہیں، حوصلہ کریں تو بھی دوزخ میں ہیں۔ فرمایا، اب تو دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے اور یہاں خلود ہے۔ ہمیشگی ہے موت آئے گی نہ زندگی ختم ہوگی نہ ہی جہنم ٹھنڈی ہوگی۔

بھٹکنے کی سزا:

آدمی جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے بھٹکتا ہے تو ہم ایک سزا اُسے دنیا میں دیتے ہیں۔ وہ سزا کیا ہے؟ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اطاعت چھوڑتا ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں اس کی سزا ہم یہ دیتے ہیں کہ کچھ شیاطین اُس کے ساتھ لگا دیتے ہیں کہ تم نے اسی کے ساتھ رہنا ہے۔ وہ شیطان کرتے کیا ہیں؟ جو برائی وہ کرتا ہے وہ کہتے ہیں تُو نے کمال کر دیا تیرے جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔ تُو نے بڑا تیر مارا۔ تُو نے اتنی رشوت لے لی۔ تُو نے اتنے بندوں کو لوٹ لیا۔ تُو نے اتنی عزتیں لوٹ لیں تیرے جیسا کون ہے! تو نے اتنے بندوں کو ناحق قتل

کر دیا تیری بڑی دہشت ہے بھئی لوگ تیرے نام سے کانپتے ہیں۔ تُو نے سینکڑوں آدمی خاک وخون میں لوٹا دیے۔ تُو نے ملکی دولت لوٹ لی۔ تیری عظمت کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ تیرے پاس اتنی بڑی بڑی گاڑیاں ہیں جو تُو نے لوگوں کے مال سے لوٹ کر لی ہیں۔ واقعی تیرے جیسا تو ذہین کوئی نہیں! ایسے لوگ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں یا کر چکے ہوتے ہیں ان کے سب بُرے اعمال کو شیطان، ان کی نظروں میں خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گمراہی میں ایسے بھٹکتے ہیں جیسے ان سے پہلے گمراہ بھٹکے تھے۔ شیاطین ان کو بھی اُن پہلوں کا حصہ بنا دیتے ہیں۔

ان سے پہلی امتوں میں بھی جنات زمین پر آباد رہے جو مکلف تھے، جنات نے نافرمانی کی، بغاوت کی تو تباہ ہوئے۔ مر کر عذابِ الٰہی کا شکار ہوئے۔ ان میں سے جنہوں نے اطاعت کی وہ نجات پا گئے۔ پھر دنیا میں انسان وارد ہوا۔ جب سے معمورۂ عالم پر انسان آیا تب سے لوگ آ رہے ہیں۔ جا رہے ہیں۔ قوموں کی قومیں غرق ہو گئیں۔ تیز ہواؤں میں ماری گئیں، زمین میں دھنسا دی گئیں، سیلاب میں ڈوب گئیں۔ وہ سب خسارے میں رہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی دنیا میں یہ سزا دے دی جاتی ہے کہ ان کے ساتھ شیاطین لگا دیے جاتے ہیں جو انہیں برائی کو خوشنما دکھاتے رہتے ہیں۔ فرمایا، یقیناً یہ لوگ سخت نقصان میں ہیں۔ انہوں نے بہت خسارہ کمایا۔

سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 4 آیات 26 تا 32

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ
الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ
الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا
الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ
الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾
نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور کافر کہنے لگے اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب سنانے لگیں تو) اس میں شور مچا دیا کرو تاکہ تم غالب رہو ﴿۲۶﴾ سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے اور ان کو ان کے بُرے کاموں کی سزا دیں گے ﴿۲۷﴾ یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی (یعنی) دوزخ ان کے لیے وہاں ہمیشہ رہنے کا مقام ہوگا اس چیز کا بدلہ کہ ہماری آیات سے (ضد کر کے) انکار کرتے تھے ﴿۲۸﴾ اور کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو وہ دونوں، شیطان اور انسانوں میں سے دکھا دیجیے جنھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا (تاکہ) ہم ان دونوں کو اپنے پاؤں تلے (روند) ڈالیں تاکہ وہ بہت ذلیل ہوں ﴿۲۹﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ

ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور نہ کوئی رنج کرو اور جنت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۳۰﴾ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (ہیں) اور اس (جنت) میں جو تمہارا جی چاہے تمہارے لیے موجود ہے نیز اس میں تم جو مانگو گے وہ تمہیں ملے گا ﴿۳۱﴾ (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہوگی ﴿۳۲﴾

تفسیر و معارف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پیش فرماتے۔ جو قرآن سنتا وہ بدل جاتا۔ اس لیے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ کلام الٰہی کی اپنی برکت ہے اور جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ادا ہو تو اس کی اثر انگیزی سوا! اللہ کریم نے عربی زبان کو تمام زبانوں پر فوقیت بخشی ہے۔ قرآن کی زبان عربی ہے، اہلِ جنت کی زبان عربی ہے۔ قرآنِ حکیم کے تراجم بیشمار زبانوں میں ہوئے ہور ہے ہیں لیکن وہ ترجمہ ہیں۔ اصل قرآن نہیں۔ قرآن اس متن کا نام ہے جو عربی زبان میں ہے اور اس میں وہ کیفیات ہیں جو کلام الٰہی کا خاصہ ہیں۔

دنیا کی جتنی زبانیں ہیں ان میں عربی انتہائی وسیع زبان ہے، کوئی زبان وسعت اور گہرائی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چند الفاظ میں ایک بڑے مضمون کو سمو لینا یہ عربی کی خصوصیت ہے۔ ترجمے میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک لفظ کے معنی دوسرے لفظ کی کیفیت۔ باقی زبانوں میں معنی تو شاید بیان ہو جاتے ہوں لیکن کیفیت ویسے ادا نہیں ہوتی جیسے عربی میں ہوتی ہے۔

گزشتہ رکوع میں اللہ کے کلام سے روکنے والوں کا تذکرہ تھا۔ یہی بات چل رہی ہے کہ کفار آپس میں باتیں کرنے لگے کہ جو بھی قرآن سنتا ہے وہ بدل جاتا ہے تو کیا حل نکالیں؟ انہوں نے یہ حل نکالا جس کا ذکر اس آیہ مبارکہ میں ہے۔ فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝۲۶ اور کافر کہنے لگے اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب سنانے لگیں تو) اس میں شور مچا دیا کرو تا کہ تم غالب رہو۔ مشرکین نے یہ حل نکالا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو گرد اگرد جمع ہو جاؤ اور اتنا شور کرو کہ کوئی سن ہی نہ سکے اس طرح جو ہم چاہتے ہے وہ ہو سکے گا۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآرا تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ قرآن کا سننا واجب ہے۔ خاموشی اور ادب کے ساتھ سننا واجب ہے۔

شبینہ کے احکام:

ہمارے ہاں شبینہ کرایا جاتا ہے اور بڑے بڑے سپیکر لگائے جاتے ہیں۔ ساری رات ان سپیکرز کے ذریعے آواز دور دور تک پہنچائی جاتی ہے۔ سننے والے اپنے اپنے گھروں میں مختلف کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔ کوئی باتیں کر رہا ہے، کوئی پڑھ رہا ہے، کوئی رفع حاجت کے لیے گیا ہے۔ اور اس کے کانوں میں تلاوتِ قرآن کی آواز پہنچ رہی ہے یہ کس قدر بے ادبی ہے۔ مخلوق کو ایسی تکلیف میں مبتلا کرنا جوان کے بس میں نہ ہو اس گناہ کا ذمہ دار وہ شخص ہے جو شبینہ کرا رہا ہے۔ شبینہ کرانا، اچھی بات ہے لیکن اس کا بھی ایک طریقہ ہے کسی مکان، گھر یا مسجد میں جہاں شبینہ کرانا چاہتے ہیں وہاں سپیکر ایسے رکھیں جن کی آواز گھر اور مسجد کے اندر ہی آئے۔ جو سننا چاہتا ہے وہ باادب ہو کر توجہ سے سنے۔ جتنی دیر بیٹھ سکتا ہے بیٹھے۔ نہیں بیٹھ سکتا تو جا کر سو جائے شبینہ کرانے والوں کو چاہیے کہ اللہ کی رضا کے لیے یہ اہتمام کریں، لوگوں کو سنانے کی ضرورت نہیں کہ میں شبینہ کرا رہا ہوں۔ اللہ کا کلام پڑھ رہے ہو، پڑھانے کا اہتمام کروا رہے ہو تو یہ اللہ کے لیے کر رہے ہو یا لوگوں پر رعب ڈالنے کے لیے پڑھ رہے ہو، پڑھا رہے ہو۔ یہ بات بڑی توجہ سے سمجھنی چاہیے کیونکہ یہ کفار کا شیوہ ہے کہ قرآن پڑھا جا رہا ہو اور شور ہو لہٰذا اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

ٹی وی پر قرآنِ حکیم کی تلاوت ہو رہی ہوتی ہے اور لوگ گپ شپ کر رہے ہوتے ہیں یا اپنی ذاتی ضروری، کاروباری گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں۔ یہ درست نہیں۔ لازم ہے کہ قرآن کی تلاوت، ہوٹل پر لگی ہے یا ٹی وی پر، اس کا ادب ملحوظ رکھا جائے۔ ٹی وی، ریڈیو بند کر دیں یا کام روک دیں۔ بہتر ہے کہ کام کو چند منٹ کے لیے روک کر تلاوت توجہ سے سن لیں پھر تلاوت بند کر کے اپنے کام کر لیں۔ اس لیے کہ قرآن کا پڑھنا سنت ہے اور سننا واجب ہے۔

اللہ کی آیات کو روکنے والے:

جو لوگ قرآنِ حکیم کو، اس کی آواز کو، اس کے مفاہیم کو روکنا چاہتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب کی وعید ہے۔ اس گناہِ عظیم کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن پڑھتے وقت شور کیا جائے، سننے نہ دیا جائے، قرآن کی آواز کو دبایا جائے۔ قرآنی احکام کو روکنے کے لیے عملی، قلمی، مالی کاوشیں کی جائیں۔ اُن مضمون نگاروں کے مضامین جو دینی تعلیم اور بنیادی عقائد کے خلاف لکھتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ وہ ساری کاوشیں جو لوگوں کو دین سننے سے

روکنے کے لیے کی جاتی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے دشمن ہیں جو اللہ کے کلام کو روکنا چاہتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ارشادِ باری ہے: فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے اور ان کو ان کے برے کاموں کی سزا دیں گے۔

یہ بہت بڑا جرم ہے اور اس کا عذاب بھی بہت شدید ہے۔ عذاب تو پہلے ہی تکلیف دہ ہے پھر اس کے ساتھ شدید کا اضافہ! عذاب، عذاب ہے، سزا، سزا ہے، دکھ، دکھ ہے پھر اللہ کریم اُسے شدید بھی کہہ رہے ہیں۔ میرا اور آپ کا شدید کہنا ہماری سوچ کے مطابق ہوگا، جسے اللہ شدید فرما رہا ہے وہ علمِ الٰہی کے مطابق شدید ہوگا۔ ان کی برائیوں کی سزا انہیں پوری پوری دی جائے گی۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾

یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی (یعنی) دوزخ۔ ان کے لیے وہاں ہمیشہ رہنے کا مقام ہوگا۔ اس چیز کا بدلہ کہ ہماری آیات سے (ضد کر کے) انکار کرتے تھے۔ فرمایا، یہ اس بات کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیات کو روکنا چاہتے تھے، ہماری آیات سے لوگوں کو بھٹکاتے رہتے تھے، عمل کرنے سے روکتے تھے۔

دورِ حاضر کے لوگ۔۔۔:

اس آیت کی وعید کی لپیٹ میں دورِ حاضر کے بہت لوگ آئیں گے۔ جو حیلے حوالے کر کے سود لیتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ منافع ہے۔ وہ سوچیں، اگر کُتے کا نام دنبہ رکھ لیا جائے تو کیا وہ حلال ہو جاتا ہے؟ سود کا نام منافع رکھ لینے سے سود حلال ہو جائے گا؟ یاد رہے! سود کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ سود کو حرام سمجھ کر کھانا گناہ ہے، سخت گناہ! لیکن سود کو حلال سمجھ کر کھانا کفر ہے۔ گزشتہ ادوار میں وطن عزیز میں، شریعت بینچ نے فیصلہ کیا کہ سودی نظام ختم کیا جائے۔ اس وقت کی حکومت نے اپیل جمع کرادی۔ برسوں سے وہ سپریم کورٹ میں پڑی ہے۔ کوئی نہ سنے گا نہ سنائے گا۔

انگریز نے سرکاری طور پر جو تعلیمی نصاب بنایا تھا وہ Anti- Muslim اور Pro- English تھا لیکن اُس میں بھی اتنی دینی معلومات تھیں کہ آج کا ہمارا تعلیمی نصاب اس کے مقابلے میں Pro- Islam لگتا ہے۔ جب ملک آزاد ہوا، مسلمانوں کی حکومت آئی تو رفتہ رفتہ اسلامی معلومات اس سے نکل گئیں۔ اب جو نیا نصاب آ رہا ہے اسے ایک ایسی خاتون نے مرتب کیا ہے جو خاص طور پر ہندوستان سے بلوائی گئیں جو ان لوگوں کے نزدیک وہ بہت عالمہ فاضلہ

ہیں۔ ہمارے نصاب میں جہاں صحابہ کرامؓ اور اہل اللہ کے تذکرے تھے وہ نکال کر ہندو یوگیوں اور ان کے برہمنوں کے تذکرے لکھے جارہے ہیں۔ آنے والا نصاب بتائے گا کہ یہ سب کیا ہے! یہ اللہ کے قرآن کو روکنے والوں کی قسمیں ہیں۔ یہ اللہ کے دشمن ہیں۔ اللہ کے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ دو چار دن کی بات نہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ وہاں پہنچ جائیں گے تو پھر کہیں گے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اور کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو وہ دونوں، شیطان اور انسانوں میں سے دکھا دیجیے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا (تاکہ) ہم ان دونوں کو اپنے پاؤں تلے (روند) ڈالیں تاکہ وہ بہت ذلیل ہوں۔

دنیا میں جنہیں کبھی سروں پر بٹھاتے تھے ان کے لیے کہیں گے کہ اے اللہ! اب جہنم میں انہیں ہمارے حوالے کرتا کہ ہم انہیں پاؤں کے نیچے روند ڈالیں۔ جن انسانوں نے ہمیں یہ مشورے دیے اور گمراہ کیا۔ جن انسانوں نے ہمارے لیے یہ غیر اسلامی نصاب بنائے، ایسے قانون بنائے اور ہمیں اس پر مجبور کیے رکھا اور جن جنّوں اور شیطانوں نے گمراہ کیا وہ انسان اور وہ شیاطین ہمارے حوالے کردے ہم انہیں پاؤں کے نیچے روندیں گے تاکہ ان سے اپنا بدلہ لے سکیں لیکن اب ایسا ممکن نہیں ہوگا یہاں ہر کوئی اپنا کیا بھگت رہا ہوگا۔ جس کا جو کردار تھا اس کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔ دنیا میں بتا دیا گیا تھا کہ اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑنے والوں کو یہ سزا دنیا میں ہی ملنا شروع ہو جائے گی کہ ان کے ساتھ شیاطین لگا دیے جائیں گے۔ بتا دیا گیا تھا کہ ان شیاطین کو آج بھگاؤ۔ اللہ کی اطاعت میں آجاؤ۔ لوگوں نے پھر بھی اللہ اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی اور مخالفت کا راستہ اپنایا۔ اللہ نے صرف شیطان ہی ساتھ نہیں لگائے، اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ فرشتے بھی لگائے۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور نہ کوئی رنج کرو اور جنت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

فرمایا، میرے ایسے بندے بھی ہیں جن کے ساتھ میرے فرشتے ہوتے ہیں جو نیکی میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ شیطانی حملوں سے ان کو بچاتے ہیں، برائی سے ان کا تحفظ کرتے ہیں، انہیں نیک مشورے دیتے ہیں۔ یہ وہ

لوگ ہیں جو کہتے ہیں، میرا ربّ اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ جاتے ہیں، قائم ہو جاتے ہیں۔ میرے فرشتے انہیں حوصلہ دیتے ہیں کہ نہ کسی سے ڈرو نہ گھبراؤ۔ کسی سے ڈر کر برائی کی طرف مت جاؤ اور گھبرا کر برائی نہ اپنالو۔ اللہ ہی پر بھروسہ رکھو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں مبارک ہو وہ جنت جس کا تم سے اللہ نے وعدہ کیا تھا۔

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿۳۱﴾ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (ہیں) اور اس (جنت) میں جو تمہارا جی چاہے تمہارے لیے موجود ہے نیز اس میں تم جو مانگو گے وہ تمہیں ملے گا۔

فرشتے کہیں گے ہم نے دنیا کی زندگی میں بھی تمہارا ساتھ دیا، ہم قبر میں بھی، میدانِ حشر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے، عندالموت تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم برزخ میں تمہارے ساتھ ہیں، ہم میدانِ حشر میں تمہارے ساتھ ہوں گے۔ جنت میں اللہ کی نعمتیں تمہارے انتظار میں ہیں۔ جو مانگو گے حاضر کیا جائے گا کہ اللہ ربّ العالمین کی میزبانی ہے۔ فرمایا: نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿۳۲﴾ (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہوگی۔ یہ جنت اس کا مہمان خانہ ہے جو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ملتا ہے کہ جنتی کسی کے لباس کو دیکھے گا تو اسے خیال گزرے گا کہ کتنا خوبصورت لباس ہے۔ دیکھے گا تو اس کا بھی ایسا ہی ہوگا۔ بس خیال آنے کی دیر ہوئی۔ کسی نعمت کا خیال گزرے گا تو وہ سامنے رکھی ہوئی ہوگی۔ تم سوچو گے تو نعمتیں حاضر ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ یہ اس کا مہمان خانہ ہے تم اس کے مہمان ہو، جو چاہو گے، پاؤ گے۔

سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 5 آیات 33 تا 44

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ
الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ
الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ
وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا
فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة [۱]
وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ
وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ
مَّنْ يَّاْتِيْۤ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا
يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ
حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ

اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ
مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ یقیناً مَیں فرماں برداروں میں سے ہوں ﴿۳۳﴾ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی آپ نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیجیے پھر (ایسا کرنے سے) آپ دیکھیں گے کہ جس شخص میں اور آپ میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے ﴿۳۴﴾ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو ملتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں ﴿۳۵﴾ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں بے شک وہ خوب سننے والے، خوب جاننے والے ہیں ﴿۳۶﴾ اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہے تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے، اگر تم کو اس کی عبادت کرنا ہے تو ﴿۳۷﴾ پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں تو (فرشتے) جو آپ کے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ (کبھی) نہیں تھکتے ﴿۳۸﴾ اور اسی کی قدرت کے نمونے ہیں کہ تُو زمین کو دبی ہوئی (خشک) دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور پھولنے لگتی ہے بے شک جس نے اس کو زندہ فرمایا تو وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۳۹﴾ بلاشبہ جو لوگ ہماری نشانیوں میں ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن و امان سے آئے (تو) جو چاہو کر لو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہے ہیں ﴿۴۰﴾ بے شک جن لوگوں نے

ذکر (قرآن) کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آیا اور یقیناً یہ تو ایک بہت بلند رتبہ والی کتاب ہے ﴿۴۱﴾ اس میں غلط بات داخل نہیں ہو سکتی نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ اللہ دانا (اور) خوبیوں والے کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ﴿۴۲﴾ آپ کو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو کہی گئی ہیں بے شک آپ کا پروردگار بڑی بخشش والا اور دردناک سزا دینے والا ہے ﴿۴۳﴾ اور اگر ہم اس (قرآن) کو غیر عرب زبان میں نازل فرماتے تو کہتے اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کھول کر کیوں بیان نہیں کی گئیں یہ کیا کہ (قرآن کو) غیر عربی ہے اور (مخاطب) عربی فرما دیجیے جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرہ پن) ہے اور وہ (قرآن) ان کے حق میں اندھا پن ہے اور یہ لوگ (فائدہ حاصل نہ کرنے کے سبب ایسے ہیں جیسے) بڑی دور کی جگہ سے پکارے جا رہے ہیں ﴿۴۴﴾

تفسیر و معارف

قوتِ کلام کا بہترین استعمال:

اللہ جلّ شانہٗ نے انسان کو جو بہت سی فضیلتیں دی ہیں اُن میں بات کرنے کی، کلام کرنے کی استعداد بھی ایک فضیلت ہے۔ روئے زمین پر جتنی مخلوق بستی ہے اُس میں انسان کو یہ بھی بہت بڑی فضیلت دی ہے کہ وہ بات کر سکتا ہے، بات سمجھ سکتا ہے، اپنے محسوسات لکھ سکتا ہے، لکھے ہوئے کو پڑھ کر جان سکتا ہے۔ اگر قوتِ گویائی نہ ہوتی تو علم کی کوئی بنیاد نہ ہوتی کوئی لکھتا نہ کوئی پڑھتا نہ کوئی جانتا۔ اللہ کریم کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اُس نے انسان کو قوتِ گویائی بخشی، اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتا ہے۔ دوسرے کی بات سُن سکتا ہے، سمجھ سکتا ہے، اپنی بات سمجھا سکتا ہے۔ تمام علومِ انسانی کی بنیاد اس ایک قوت پر ہے۔ اللہ کریم نے جو ترتیب بیان فرمائی پہلی وحی کا جو نزول ہوا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق: 1)

جس پروردگار نے آپ کو پیدا فرمایا اُس کے نام سے پڑھیے۔ آگے چل کر فرمایا: عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا

لَمۡ یَعۡلَمۡ ؀ (العلق:5) یہ بنیادِ قوتِ گویائی تھی کہ جن چیزوں کا علم انسان کے پاس نہیں تھا اللہ نے اسے شعور اور جستجو کی صلاحیت دی اور اس نے تحقیق کر کے انہیں جان لیا۔ یہ جو بہت بڑی قوت ہے اس کا بہترین استعمال کیا ہے؟ کوئی چیز آپ بناتے ہیں آپ کے پاس گاڑی ہے تو اُس کا ایک استعمال ہے۔ آپ کے پاس کوئی ہتھیار ہے تو کیا وہ اس لیے ہے کہ سڑک پر ہر وقت اُسے چلاتے رہیں؟ کسی مقصد، کسی موقع کے لیے ہے۔ دفاع کے لیے ہے۔ کسی وقت کے لیے ہے۔ کسی ضرورت کے لیے ہے۔ آپ کے پاس قوتِ گویائی ہے سننے کی طاقت ہے سمجھنے کی قوت ہے، شعور ہے تو اس سارے کا بہترین استعمال کیا ہے؟

لوگوں سے بات چیت اور محض دنیوی فوائد کا حصول؟

یہ تو روزہ مرہ کا کام ہے اپنی ضرورتیں بیان کرنا، دوسروں کی سننا یہ تو زندگی کی ضرورت ہے۔ یہ تو روز مرہ کا کام ہے اس میں کوئی ایسا بڑا کمال نہیں ہے پھر اس کا بہترین استعمال کیا ہے؟ فرمایا: وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ ۔۔۔ بہترین بات یہ ہے کہ اپنی قوت کو دعوت الی اللہ پر صرف کرو۔ اِس سے بہتر بات کون سی ہو سکتی ہے جو کوئی اللہ کی طرف بلائے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ مؤذن اگر اذان کہتا ہے اور اُس کی اجرت نہیں لیتا۔ یاد رکھیں! جو کام خالص اللہ کے لیے ہو گا وہ اللہ کی عبادت ہو گا، جو کام اُجرت پر کیا جائے گا وہ عوض معاوضہ برابر ہو گیا۔ آپ نے کام کر دیا آپ نے اُجرت لے لی۔ تو فرمایا، وہ مؤذن جو اذان دیتا ہے اور معاوضہ نہیں لیتا وہ دعوتِ الی اللہ ہے۔ کوئی تقریر کرتا ہے، کوئی لکھ کر کرتا ہے کوئی بیان کرتا ہے کوئی کسی انداز میں عظمتِ الٰہی کی طرف بلاتا ہے تو یہ ساری تبلیغ ہے۔

دعوت عمل کے ساتھ ہے:

اِس دور اِس عہد کی ایک مصیبت ہے جو پہلے نہیں تھی اب ہے کہ دین کے جس شعبے میں جو کام کر رہا ہے وہ کہتا ہے یہی دین ہے باقی کی ضرورت نہیں۔ ایسا نہیں ہوتا۔ دین، سارا دین ہے۔ یہ سعادت ہے کہ کسی کو کسی شعبے میں کام کرنے کی توفیق مل گئی۔ کوئی تبلیغ کر رہا ہے۔ کوئی پڑھا رہا ہے کوئی لکھا رہا ہے کوئی سمجھا رہا ہے کوئی خطیب ہے۔ کوئی نماز پڑھا رہا ہے، کوئی قرآن پڑھا رہا ہے، کوئی حدیث پڑھا رہا ہے، کوئی فقہ پڑھا رہا ہے۔ کوئی دنیوی امور کے جائز اور حلال طریقے جو شریعت نے بتائے ہیں وہ بتا رہا ہے۔ یہ سارا دعوت الی اللہ ہے اور اسی کے سارے مختلف شعبے ہیں۔

آپ کے علم کا، آپ کی زبان کا، آپ کے کلام کا بہترین مصرف یہ ہے کہ آپ اللہ کی طرف دعوت دیں۔ فرمایا، یہ صرف زبانی بات نہیں ہے کہ لوگوں کو دعوت دیں۔ اذان کہیں، نماز کا وقت ہے، آ جاؤ، اپنی نہ پڑھیں گھر چلے

جائیں۔ایسا نہیں ہوتا۔دعوت عمل کے ساتھ ہے:وَعَمِلَ صَالِحًا۔۔۔اپنے کردار سے اپنی دعوت کی تائید کریں۔ جس بات کی دعوت دے رہا ہے اُس کی تائید اپنے کردار سے کرے یہ نہیں کہ لوگوں کو اللہ کی دعوت دے اور آپ غیراللہ کی پوجا کے لیے چلا جائے۔یہ دعوت نہیں ہے۔اس میں کوئی جان نہیں ہے۔جس دعوت کے ساتھ آپ کا کردار نہیں ہوگا اُس دعوت میں جان نہیں ہوگی۔قوتِ کلام کا بہترین استعمال کیا ہے؟ اللہ کی طرف دعوت دی جائے اور وَعَمِلَ صَالِحًا۔۔۔بہترین کردار پیش کیا جائے۔

معذرت خواہانہ اسلام نہیں:

ہمارے پاس کئی چیزیں ہوتی ہیں بعض چیزوں پر ہمیں فخر ہوتا ہے ہم سرِ عام کہتے ہیں میرے پاس یہ نعمت ہے۔بعض چیزیں ہم نے چوری چکاری لوٹ مار سے دولت جمع کی ہوتی ہے ہم اُسے چھپاتے پھرتے ہیں۔جائز وسائل سے کمائی ہوتی ہے تو لوگوں میں بیٹھ کر اسی پر فخر کرتے ہیں وہی دولت ناجائز وسائل سے ہو تو اُسے چھپاتے پھرتے ہیں۔فرمایا،مسلمانی یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت بھی دو،ٹوٹی پھوٹی نمازیں بھی پڑھ لو اور گھبراتے بھی رہو کہ دنیا پر تو کفر کا غلبہ ہے عیسائیوں سے مانگ کر کھانا ہے یہودیوں سے مانگ کر لینا ہے،یہودیوں سے قرض لینا ہے تو کیا کریں اور معذرت خواہانہ انداز میں کہو بس جی میں بھی مسلمان ہی ہوں،فرمایا،ایسا اسلام نہیں چاہیے۔ دعوت الی اللہ اُس کی ہوگی جو اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے۔وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ سینہ ٹھوک کے کہے میں مسلمان ہوں الحمدللہ! یہ سمجھوتوں کی مسلمانی،مسلمانی نہیں ہے اُسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو۔وہ اعزاز سمجھے کہ میرا تعلق اللہ سے ہے۔میرا تعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے میرا تعلق انبیاؑ سے ہے اِس پر اُسے فخر ہونا چاہیے۔یعنی یہ پھُسپھسا اور یتیم سا اور بے کس سا اسلام نہیں چاہیے کہ تمہیں دیکھ کر اُنہیں رحم آئے کہ بے چارے کا دیکھو کیا حال ہے۔یہ نہیں چاہیے۔وہ مسلمان چاہیے جسے اسلام پر فخر ہو وہ سرِ دار بھی کہہ سکے کہ الحمدللہ! میں مسلمان ہوں۔

سب سے اچھی بات لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا ہے اور یہ صرف زبانی نہیں ہے وَعَمِلَ صَالِحًا۔۔۔ عملی دعوت بھی ہے اور عملی دعوت حقیقت ہے۔زبان دعویٰ کرتی ہے عمل اُس کا گواہ ہوتا ہے۔جس دعوے کے گواہ جھوٹے ہوں وہ ثابت نہیں ہوتا تو اگر آپ کا عمل آپ کی دعوت کے خلاف ہوگا تو آپ کی دعوت میں جان نہیں ہوگی وہ ثابت نہیں ہوگی اور پھر بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو۔ہمارے ذرائع ابلاغ بڑی عجیب اور غیر مستند باتیں کرتے ہیں عجیب بات ہے کوئی بھی معتبر نہیں رہا نہ پرنٹ میڈیا معتبر رہا ہے نہ الیکٹرانک میڈیا معتبر

رہا ہے ان کی بات سن کر ہر بندہ کہہ اٹھتا ہے یہ کہہ تو رہے ہیں پتا نہیں حقیقت کیا ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ میں اگلے دن اخبار دیکھ رہا تھا تو ترک صدر کے بارے خبر تھی۔ اُس نے کہا اہلِ مغرب ہمیں کہتے ہیں تمہارے آباؤ اجداد جو تھے وہ بھلے لوگ نہیں تھے وہ جاہل تھے۔ غلط کہتے ہیں، وہ کہتا ہے، وہ روشنی کے مینار تھے اور ہمیں اُن پر فخر ہے۔ یہ ہمارے اجداد ہی تھے جنہوں نے اللہ کا دین ہم تک پہنچایا الحمدللہ! ہم اُس پر عمل کر رہے ہیں۔ یہاں یہی مطالبہ کیا گیا ہے کہ مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو: وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۝ وہ سینہ ٹھوک کر کہہ سکے کہ الحمدللہ! میں مسلمان ہوں یعنی تبلیغ کے لیے یہ بے بسی کا اسلام نہیں چاہیے کہ جی بس مجبوری ہے میں بھی مسلمان ہوں۔'' یہ نہیں چاہیے۔ یہ پھسپھسا، بے جان مسکین اسلام نہیں چاہیے اسلام پر، مسلمان ہونے پر فخر ہو۔ اُس کا اپنا کردار تبلیغ کے مطابق ہو عمل صالح ہو پھر ڈٹ کر بات کرے تو یہ قوت گویائی کا سب سے اعلیٰ مصرف ہے۔

حسنِ سلوک دینی غیرت کے ساتھ:

وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ۔۔۔ فرمایا، بھلائی اور برائی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ ایک سا نتیجہ نہیں دیتے کہ بھلائی کرنے والے کا انجام بھی وہی ہو اور برائی کا نتیجہ بھی وہی ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ نیکی اور برائی ایک جیسے نہیں ہو سکتے ایک جیسا نتیجہ نہیں آئے گا۔ ایک جیسا انجام نہیں ہوگا تو اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی کرتا ہے، جواب میں تم بھی برائی کرو گے تو کیا ہوگا؟ برائی بڑھے گی مٹے گی تو نہیں۔ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ۔۔۔ وہ غلط بیانی کرتا ہے تو آپ سچ بولیں۔ وہ بدکلامی کرتا ہے آپ حسنِ کلام سے کام لیں۔ ہم نے جگہ جگہ قرآن کی وہ تاویلیں گھڑ لی ہیں جو قرآن کا منشا نہیں۔ اسے عربی میں کہتے ہیں مَالَا یَرۡضٰی بِهِ الۡقَائِلُ کہ کہنے والا جس بات پر راضی نہیں ہے، ہم نے وہ ترجمہ بنا لیا ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ کافر یا بدکار یا بُرے لوگ آپ کو لتاڑتے رہیں اور آپ نیچے آرام سے پڑے رہیں، نہیں رواداری کی بھی ایک حد ہے جہاں سے آپ کے حقوق متاثر ہوں گے آپ دفاع کر سکتے ہیں لیکن آپ اتنا ہی دفاع کر سکتے ہیں جتنی کسی نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے اُس سے زیادہ نہیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کسی نے آپ کو تھپڑ مارا ہے آپ اُس کا سر توڑ دیں، نہیں۔

آپ تھپڑ کے بدلے تھپڑ مار سکتے ہیں گولی نہیں مار سکتے اور وہاں بھی کہتا ہے اگر مناسب سمجھیں اور درگزر کر سکتے ہوں معاف کر سکتے ہوں تو یہ سب سے اچھی بات ہے۔ تو فرمایا: اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ۔۔۔ اچھے طریقے سے دفاع کرو۔ ایک نے تو بُری بات کر دی منہ سے اُس نے کوئی بُری بات کہہ دی، کوئی نامناسب الفاظ استعمال کر لیے۔ آپ بھی کریں گے تو وہ برائی پھیلے گی بڑھے گی۔ آپ اچھے الفاظ استعمال کریں۔ فرمایا، ہو سکتا ہے اگر اُس میں

کوئی رمق انسانیت کی باقی ہو تو اُس کی غلط بیانی کے سامنے جب آپ صحیح بات کریں گے تو ہو سکتا ہے آج کا دشمن کل آپ کا دوست بن جائے۔ آپ کی اچھائی اُس سے آپ کی دشمنی نکال دے اور وہ آپ کا دوست بن جائے۔ اسلام کی حقیقی فتح یہی تھی۔ جب اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر روئے زمین پر پھیلا تو اقوامِ مغرب جہالت کی تاریکی میں تھیں۔ تاریخ دان یورپین اقوام کو غاروں کے باسی لکھتا ہے۔ مؤرخ لکھتا ہے The Cavemen غاروں میں رہنے والے لوگ اور اس سے آگے West کو وحشی وحشی مغرب کہتے ہیں The Wild Wild West یہ لوگ تہذیب سے نا آشنا تھے۔ اسلام جب جزیرہ نمائے عرب سے پھیلا اُس نے روئے زمین پر پھیلنا شروع کر دیا اور بے شمار ممالک اسلامی سلطنت میں آئے تو ہر ذی شعور نے یہ دیکھا کہ زمین تو فتح کر لینا کوئی کمال نہیں ہے جس کے پاس طاقت ہو وہ خطہ ء زمین لے لیتا ہے کمال یہ ہے کہ یہ جہاں جاتے ہیں ملکوں کے ملک مسلمان ہو جاتے ہیں۔

یہ لوگوں کو فتح کیسے کرتے ہیں! یعنی جہاں جو ممالک اسلام کے زیرِ نگیں آئے وہ کلمہ گو ہوتے گئے۔ یہ دلوں کو فتح کیسے کرتے ہیں! یہی بات تھی کہ فاتحینِ اسلام اُن کی برائی کے جواب میں احسان کیا کرتے تھے۔ پہلا حملہ جو برصغیر پر ہوا اور جو محمد بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا تو یہ بلوچستان کی سرحد سے شروع ہوا، خشکی کے راستے آئے تھے سمندر کے راستے تو آئے نہیں تھے۔ راجہ داہر کا سرحدی قلعہ تھا جو بہت مضبوط تھا اور اس کا کمانڈر ایک جرنل تھا۔ بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ راجہ داہر کا جرنل خود زخمی ہو کر میدان میں گرا۔ فتح مسلمانوں کو ہوئی قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا جب وہ قید ہوا تو وہ زخمی تھا۔ ایک جرنیل کی طرح ہی اُس کے ساتھ عزت کا سلوک کیا گیا پوری تندہی کے ساتھ اُس کا علاج کیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ تندرست ہو گیا تو خود محمد بن قاسمؒ اُس سے ملا اور اُسے بتایا کہ میں جانتا ہوں تم جرنیل ہو اور اِس قلعے کے کمانڈر ہو۔ تمہارے فنِ حرب کی بھی تعریف کرتا ہوں تم نے بڑا اچھا مقابلہ کیا۔ تم زخمی ہو گئے تھے ہم نے تمہارا علاج کیا۔ اب تم صحت یاب ہو یہ تمہاری وردی ہے۔ یہ تمہارے لیے بہترین گھوڑا ہے اور اب آپ جا سکتے ہیں آپ آزاد ہیں تو وہ حیران ہو گیا۔ اُس نے کہا میں تو یہ سمجھتا تھا کہ یہ مجھے جانتے نہیں ہیں اس لیے میرا علاج کر رہے ہیں۔ جانتے کہ میں جنرل ہوں، مجھے تکلیف دیتے ایذا دیتے، حکومت کے راز پوچھتے، دفاعی راز پوچھتے کسی نے مجھے تو پوچھا بھی نہیں۔ اُس نے کہا آپ یہ جانتے ہیں کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے تو میں نئی فوج لے کر پھر آپ کے مقابلے میں آ جاؤں گا؟ اُنہوں نے کہا کوئی حرج نہیں تمہارا حق بنتا ہے۔ یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک زخمی آیا بحیثیتِ انسان ہم نے اُس کا علاج کیا ہمدردی کی اُسے واپس بھیج دیا۔ اب تمہارا فیصلہ ہے کہ تم پھر لڑنے آ جاتے ہو۔ آ جاؤ، پہلے بھی لڑ کے دیکھ لیا ہے پھر لڑ کے دیکھ لیں گے۔ یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ یہاں سے جا سکتے ہو۔ وہ وہاں سے نکل آیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ داہر کے دربار میں حاضر ہو کر اُس نے ساری روائیداد جنگ کی سنائی، اپنے علاج کی سنائی، اپنی واپسی کی سنائی اور دربار میں کھڑے ہو کر کلمہ پڑھ لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے کہا مسلمان تو میں وہاں ہو گیا تھا۔ وہاں اعلان اس لیے نہیں کیا کہ تم کہو گے کہ اس نے قید میں ڈر کر کلمہ پڑھا۔ میں تمہارے سامنے پڑھ رہا ہوں۔ راجہ نے اسے قید کر دیا، بعد میں جب فتح ہوئی، مسلمان قیدیوں کے ساتھ اُسے بھی چھڑایا گیا۔ طریقِ سلوک جو ہے وہ بہترین ہونا چاہیے۔ معاملات خوبصورت ہونے چاہیں۔ یہ نہیں کہ دھوکا کرو، خوشامد کرو، چاپلوسی کرو۔ اسلام اس کی تربیت نہیں دیتا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا۔۔۔ صالح کام ہو۔ صاف ستھرا کام ہو جو کہہ رہے ہو وہ تمہارا مقصد ہو۔

ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ جہاں اپنا مفاد ہوتا ہے وہاں کافر سے بھی ہمیں حُسنِ سلوک یاد آ جاتا ہے اور جہاں چار آنے کا جھگڑا ہوتا ہے وہاں بھائی کا گلا کاٹنے سے بھی باز نہیں آتے کہ میری چوّنی بچ جائے گی۔ وہاں حسنِ سلوک یاد نہیں آتا۔ ہم قرآن کی تاویلیں اپنی پسند سے گھڑتے رہتے ہیں تو فرمایا، بھلائی اور برائی کا انجام ایک نہیں ہوتا۔ برائی کو بھی اچھائی سے ختم کرو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا دوست بن جائے۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو ملتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں اور یہ نعمت کہ برائی کو اچھائی سے دور کرے یہ ہر ایک کے پاس نہیں۔ یہ بڑے خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔ بنیادی طور پر اُن لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کریں۔ صبر کیا ہوتا ہے؟ صبر کا لفظی معنی لغت میں یہ ہے کہ جس طرح شاہسوار گھوڑے کو تیزی سے بھگا رہا ہو ایک دم طنابیں کھینچ کر روک لے۔ صبر کا معنٰی ہے، رُک جانا، روک لینا۔ اصطلاحِ شریعت میں حدود اللہ کو عبور نہ کرنا اور اپنے آپ کو اپنے نفس کو روک لینا صبر ہے۔ فرمایا، یہ نعمت اُن کو دی جاتی ہے جو بڑے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں یہ کام کرنا خوش نصیبی ہے۔

غصّہ محسوس ہونے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ میں آجاؤ:

بعض اوقات ایسے حالات ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں شیطان بھی کوشش کرتا ہے۔ بندے کو غصہ دلا دے اُسے انتقام پر آمادہ کر دے۔ اُسے کہے اِسے گولی مار دو اُسے کہے یہ کر دو وہ کر دو فرمایا، اس کا بھی علاج ہے۔ یہ بھی ہو گا نفس بھی بھڑکے گا۔ شیطان بھی اُسے اور شہہ دے گا۔ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ۔۔۔ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے وہ بھڑکانے کی کوشش کرے۔ شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنا شروع ہو جائے، یہ کر دو، وہ کر دو: فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔۔۔ تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بہت سے ساتھی ای میل میں

بھی سوال کرتے ہیں جی وسوسے کا علاج کیا ہے؟ یہ اللہ نے بتادیا، قرآن بتارہا ہے: وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ۔۔۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے: فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ۔۔۔ اللہ سے پناہ چاہو۔ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقامات پر ان کلمات کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے: اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ وَقُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ۔ وَاَعُوۡذُ بِکَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ (المومنون:97,98) قرآن نے طریقہ بتایا ہے کہ کہو اللہ! مجھے شیطان سے بچالے۔ قرآن کی آیت نہیں آتی تو اپنی زبان میں بات تو آتی ہے۔ فرمایا، مجھے یاد کرو، مجھے پکارو، شیطان کا کیا ہے بھاگ جائے گا۔ تم میری طرف متوجہ ہوجاؤ گے تو وہ بھاگ جائے گا وسوسہ ختم ہوجائے گا۔

وسوسے بڑھتے کیوں ہیں؟ جب وسوسہ آتا ہے تو ہم اُسے سوچنا شروع کردیتے ہیں وہ پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ رڈ نہیں کرتے تعوذ نہیں پڑھتے۔ اللہ سے پناہ نہیں چاہتے اُسے سوچنا شروع کردیتے ہیں وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ وسوسہ آئے اللہ کی پناہ چاہو وہ ختم ہوجائے گا: فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ۔۔۔ اللہ سے پناہ چاہو: اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۶﴾ بے شک وہ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ یقیناً وہ سننے والا بھی ہے جب پکارو سنے گا بھی اور تم نہ بھی پکارو تو وہ جانتا بھی ہے تمہارے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ وہ سننے والا بھی ہے، جاننے والا بھی۔

اللہ کی عظمت کے دلائل:

وَمِنۡ اٰیٰتِہِ الَّیۡلُ وَالنَّھَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ۔۔۔ اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہے۔ کس طرح رات تخلیق پاتی ہے، کیسے دن ہوتا ہے! کہاں سے سورج کو چلاتا ہے! کیسے کہیں طلوع ہو رہا ہے، ایک جگہ غروب ہو رہا ہے دوسری جگہ طلوع ہو رہا ہے۔ ایک جگہ فجر ہے، دوسری جگہ ظہر ہے، تیسری جگہ عصر ہے چوتھی جگہ پیچھے مغرب ہو رہی ہے اور بارہا یہ ہوائی سفر میں دیکھا ہے جہاز بہت بلندی پر ہوتا ہے سامنے یا نیچے دیکھو تو اندھیرا تاریکی چھا گئی پھر شہر میں، پیچھے دیکھو دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ جدھر سے سورج آیا اُدھر اندھیرا ہے جدھر آگے جارہا ہے اُدھر روشنی ہی روشنی ہے۔ کیسا نظام ہے؟ اس میں کوئی لمحے کی تاخیر تقدیم نہیں ہوتی، آگے پیچھے نہیں، روز دن رات آتی ہے لیکن کوئی رات دن برابر نہیں ہے، گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں لیکن روزِ اوّل سے اُن کا گھٹنا بڑھنا جو مقرر ہوا، وہی چل رہا ہے۔ کوئی اُس میں تبدیلی نہیں، کوئی غلطی نہیں کوئی خرابی نہیں۔ سورج آتا ہے جہاں کو روشن کردیتا ہے تمازت بخشتا ہے، زندگی بخشتا ہے۔ ہر چیز جاگ اُٹھتی ہے۔ رات کی گود ہر شے کو سُلا دیتی ہے پھر چاند آجاتا ہے وہ لذتیں بکھیرتا ہے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ سمندری حیات کو حیات نو نصیب ہوتی ہے۔

سمندر میں مدوجزر آتے ہیں سمندر کے اندر نیچے آکسیجن کی کمی ہوتی ہے۔ جب چاند پوری آب وتاب سے چمکتا ہے تو پورے سمندر میں تلاطم آ جاتا ہے۔ نیچے کا پانی اوپر، اوپر کا نیچے آکسیجن (Oxygen) برابر ہو جاتی ہے۔ اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ اُس کی عظمت کے دلائل میں ہیں سورج، رات دن، سورج چاند، بہت بڑی دلیلیں ہیں۔ کوئی لمحے کی تاخیر وتقدیم نہیں ہوتی۔ وہی سورج گرمیوں میں اور کام کر رہا ہے وہی سورج سردیوں میں اور کر رہا ہے۔ وہی رات دن گھٹتے بڑھتے چل رہے ہیں ایسے ہی ازل سے چل رہے ہیں تو ان سے فائدہ اُٹھاؤ۔ دن کو کاروبار کرو رات کو آرام کرو۔ اللہ کو یاد رکھو اللہ کی بارگاہ میں حاضری دیتے رہو۔ اُس کی اطاعت کرو لیکن یہ نہ ہو کہ تم سورج، چاند کو ہی معبود بنالو یہ نہیں۔ یہ دلائل اُس کی عظمت کے ہیں۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ ۔۔۔ تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو۔ اب اگر اس کی شرح کی جائے تو سورج زندگی کی اُمید دلاتا ہے منافع کی اُمید دلاتا ہے کچھ چیزیں ملنے کی اُمید دلاتا ہے عہدہ ملنے کی طاقت ملنے کی اقتدار ملنے کی۔ چاند لذّتیں حاصل کرنے کی، نفس کو خوش کرنے کی دلیل بن جاتا ہے۔ اب یہ جو آسمان پر سورج چاند ہے اِن کو تو تھوڑے لوگ پوجتے ہیں لیکن جو خواہشاتِ نفس سورج کی طرح دہک اُٹھتی ہیں، اُن کے پجاری بے شمار ہیں۔

جب اللہ کی منشا کے خلاف کسی خواہش کی پیروی کی جائے، اُس پر عمل کیا جائے تو یہ اُس کی عبادت کرنا ہے۔ تو وہی تو چیزیں ہیں یا چیزوں کے حصول کا لالچ ہے یا ذاتی لذّات کا لالچ ہے۔ فرمایا، ان کی پوجا نہ کرو۔ اِن کو سجدے نہ کرو۔ سورج چاند تو Symbol ہیں نمونہ ہیں۔ سورج Symbol ہے آرزوؤں کا، خواہشات کا۔ مجھے اقتدار مل جائے گا مجھے حکومت مل جائے گی مجھے عہدہ مل جائے گا۔ یہ رشوت لے لوں میرے پاس دولت کے انبار لگ جائیں گے۔ چاند Symbol ہے عیاشی کا۔ یہ کھالوں، وہ پی لوں، یہ لباس پہن لوں یہ کرلوں، وہ کرلوں۔ اس میں یہ لذّتیں ہیں اُس میں وہ لذّتیں ہیں۔ فرمایا، اللہ کو بھول کر ان لذّتوں کی پوجا میں مت لگ جانا۔ یاد رکھنا! یہ نعمتیں دینے والی ہستی کوئی اور ہے۔ یہ نعمتیں اس قابل نہیں کہ منعم کو بھول جاؤ اور نعمتوں کی پوجا شروع کر دو۔ فرمایا: وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ ۔۔۔ اور اللہ ہی کو سجدہ کرو الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ ۔۔۔ جس نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے سجدہ اُس ذات کے لیے ہے جو اِن تمام نعمتوں کو پیدا کرتا ہے اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿٣٧﴾ اگر تم کو اس کی عبادت کرنا ہے تو۔ اگر تم اُس کے بندے ہو تو پھر اُسی کی عبادت ہوگی اور عبادت نام اطاعت کا ہے۔ سجدہ نام ہے بے چون وچرا اطاعت کا۔ فرمایا، خواہشاتِ نفس ہوں یا لذّاتِ دنیا ہوں اُن میں نہ کھو جانا۔ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اُن میں نہ لگ جاؤ، یہ درست نہیں ہے۔ اطاعت صرف اللہ کی ہے۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ:

قرآنِ کریم میں حنفیوں کے نزدیک چودہ آیات ایسی ہیں جن پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے۔ پڑھنے والے پر بھی سننے والے پر بھی۔ اُن میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۩ (السجدۃ)

یہ سجدہِ تلاوت کسے کہتے ہیں۔ یہ کیسے کیا جاتا ہے؟ یہ بڑی سادہ سی بات ہے اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلے جائیں تسبیحات کہہ کر اُٹھ جائیں۔ تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہیں اور اللہ اکبر کہہ کر پھر کھڑے ہوجائیں۔ سجدہ ہوگیا بعض حضرات نے اس میں بھی ابہام پیدا کیا ہے۔ میں پچھلے دنوں دیکھ رہا تھا ایک محقق فرماتے ہیں کہ میں نے بڑی تحقیق کی سجدہِ تلاوت کے لیے مجھے کہیں وضو کا حکم نہیں مِلا۔ یہ زیادتی ہے۔ سجدہ نماز کا اعلیٰ ترین رکن ہے۔ نماز کے جتنے ارکان ہیں اُن میں سب سے اعلیٰ ترین رکن سجدہ ہے۔ نماز فرض ہوتی ہے تو وضو فرض ہوجاتا ہے ورنہ وضو فرض نہیں ہے۔ نفل ہے آپ باوضو رہیں، اچھی بات ہے۔ نہ رہیں کوئی حرج نہیں لیکن جب نماز فرض ہوتی ہے وضو فرض ہوجاتا ہے۔ جب نماز فرض ہوتی ہے لباس کا پاک ہونا فرض ہوجاتا ہے۔ جب نماز فرض ہوتی ہے قبلہ رو ہونا قبلہ پہچاننا فرض ہوجاتا ہے۔ یہ فرائض وہ ہیں جو بالواسطہ فرض ہوتے ہیں۔ تو جب نماز کے لیے وضو فرض ہے تو جو اعلیٰ ترین رکن ہے نماز کا اُس کے لیے الگ حکم چاہیے آپ کو؟ اس لیے میں نہیں سمجھتا کہ سجدہِ تلاوت بلا وضو کیا جائے۔ سجدہ بجائے خود عبادت کا اعلیٰ ترین رکن ہے۔ باوضو ہوں، قبلہ رو ہوں۔ اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلے جائیں تسبیحات پڑھیں اللہ اکبر کہہ کر سجدے سے اُٹھ جائیں۔ سجدہ ہوگیا۔ اس آیت پر سجدہ مجھ پر بھی اور سارے سننے والوں پر بھی واجب ہے۔ اس کے بعد کرلیں پہلے کرلیں، سجدہ کیجیے گا۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۩ (السجدۃ) پھر اگر یہ لوگ تکبر کریں تو (فرشتے) جو آپ کے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ کبھی نہیں تھکتے۔ اللہ کو سجدوں کی کمی نہیں ہے۔ کوئی بھی سجدہ نہ کرے تو اُس کی عظمت میں کیا فرق پڑتا ہے لیکن اتنی مخلوق ہے اُس کی جو سربسجود ہے کہ تم گن نہیں سکتے۔ شب و روز کائنات کا ہر ذرّہ سربسجود ہے۔ کوئی ذرّہ ایسا ہے جو اطاعت نہ کرے؟ فرشتے، آسمانی مخلوق، خود زمین و آسمان بادل، ہوائیں، چاند، سورج، کون سی مخلوق ہے جو سجدہ نہیں کر رہی؟ اُس کی بارگاہ میں سجدوں کی کمی ہے یا تمہارے سجدے کی کوئی زیادہ اہمیت ہے؟ یہ اُس کی عظمت کی ضرورت نہیں ہے، تمہاری احتیاج ہے۔ تمہیں ضرورت ہے کہ تم سجدہ کرو اور اُس کی رحمت کو حاصل کرو۔ تمہاری

ضرورت ہے ورنہ اُس کی بارگاہ میں تو بے پناہ مخلوق ہر وقت سجدہ ریز ہے اور کبھی تھکتی نہیں۔ مسلسل اطاعت کیے جارہی ہے مسلسل سربسجود ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً ۔۔۔ اور اسی کی قدرت کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو دبی ہوئی (خشک) دیکھتا ہے۔ کیا اُس کی عظمت کی یہ دلیل تمہارے سامنے نہیں ہے کہ زمین جل بھن جاتی ہے۔ کچھ نہیں رہتا۔ سبزے خشک ہوجاتے ہیں۔ گھاس پھُوس خشک ہو کر اُڑ جاتی ہے۔ چٹیل میدان ہوجاتے ہیں ہوا چلتی ہے تو بگولے اُٹھتے ہیں۔ گرد اُڑتی ہے۔ آندھیاں آتی ہیں۔ طوفان آتے ہیں۔ پھر وہ ایسا قادر ہے فرمایا: فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۔۔۔ جب ہم اُس پر بارش برسا دیتے ہیں تو وہ شاداب ہوجاتی ہے اور پھولنے لگتی ہے۔ ہر طرف پھول کِھل اُٹھتے ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہوجاتا ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ درختوں پر پھل آجاتا ہے سائے گھنے ہوجاتے ہیں رونق بن جاتی ہے۔ وہ کیسا قادر ہے کہ ایک بارش سے مردہ زمین میں حیات ڈال دیتا ہے۔ وہی گھاس، وہی پتے، وہی فصلیں، وہی چیزیں جو گل کر مٹی ہوگئی تھیں پھر سے غذا بن کر قدرت باری کا اظہار کرتی ہیں۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۔۔۔ جس نے اس کو زندہ فرمایا تو وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ جو اِس طرح سے ذرّاتِ زمین میں حیات پیدا کردیتا ہے اِسی طرح وہ مُردوں کو بھی پیدا کردے گا، کھڑا کردے گا زندہ کردے گا۔ تمہیں یہ خیال آتا ہے کہ جب مر گئے مٹی کھا گئی تو کیسے زندہ ہوں گے؟ یہ جتنی گھاس پھوس، سبزہ کیا یہ سب مٹی نہیں ہوجاتا؟ درختوں کے پتے جھڑ کر خاک نہیں ہوجاتے؟ پھر کہاں سے آتے ہیں؟ کون کرتا ہے؟ تم مٹی ہوگئے تو کیا ہوگا، مٹی ہوجاؤ گے تو وہ پھر پیدا کردے گا۔ جو کائنات میں بار بار تخلیق کررہا ہے تمہارے سامنے، فنا و بقا گزر رہی ہے، ہمارے سامنے چیزیں فنا ہوتی بھی ہم دیکھ رہے ہیں پھر باقی پیدا ہوتی بھی دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح تم بھی مٹی میں مل جاؤ گے پھر تمہیں کھڑا کردے گا۔ اِسی طرح جس نے اس زمین کے ذرّات میں حیات پیدا کی مُردوں کو بھی وہ وہی زندہ کرے گا۔ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

الحاد کیا ہے؟

کچھ لوگ ہیں جنہیں احکامِ الٰہی سے خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے اور نافرمانی کرکے خوش ہوتے ہیں فخر کرتے ہیں مَیں نے یہ کردیا۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۔۔۔ بلاشبہ جو لوگ ہماری نشانیوں میں ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں۔ جو ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں۔ یہ الحاد کیا ہوتا ہے؟ یہ بھی کفر کی ایک قسم ہے۔ اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ بندہ قرآن کی آیت کا انکار نہیں کرتا معنی مرضی

کے گھڑ لیتا ہے۔ اسے الحاد کہتے ہیں۔ جس طرح ہر باطل فرقے کے ہاتھ میں قرآن ہے۔ مسلمانوں میں جتنے لوگ گمراہ ہوئے اور ہمارے حال کی تاریخ میں قادیانی اِس کی مثال ہیں۔ وہ بات بات پر قرآن ہی پیش کرتے ہیں لیکن معنی اپنی پسند سے گھڑتے ہیں۔ قرآن کا معنیٰ وہ چاہیے جو صاحبِ قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جو معنی اُن کے شاگردوں نے سمجھا تھا اور اُن کے سامنے عمل کیا تھا۔ صحابہؓ نے کیا سمجھا تھا وہ معنی چاہیے۔ اپنی خواہشات کے مطابق قرآن کو معنی پہنانا، یہ الحاد ہے کہ جہاں آپ کو ضرورت ہو اپنی مرضی کا معنی قرآن کے ذمے لگا دیں اور جہاں تکلیف ہوتی ہو وہاں معنی کوئی اور کر دیں۔ فرمایا، جو لوگ ہماری آیات کے ساتھ ہیرا پھیری کرتے ہیں الحاد کرتے ہیں یُلۡحِدُوۡنَ ۔۔۔ قرآن کا مفہوم اور ہے وہ اپنے مطلب کا گھڑ لیتے ہیں لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا ۔۔۔ ہم سے کوئی چھپے ہوئے تو نہیں ہمارے سامنے کر رہے ہیں۔ اس جرأت کا اُنہیں جواب دینا ہوگا کہ میرے روبرو میرے کلام کا کیا حشر کرتے رہے تم!

ہوگا کیا؟ فرمایا: اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۔۔۔ بھلا وہ شخص جو دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے جو قرآن کو، جیسا صاحبِ قرآن نے سمجھا یا ویسا سمجھتے ہیں اور عمل کی کوشش کرتے ہیں، اُن کے مقابلے میں جو قرآن کے معنی خود گھڑ کر الحاد کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں فرمایا، اُنہیں پھینکا جائے گا دوزخ میں: یُّلۡقٰی ۔۔۔ القا کہتے ہیں پھینک دینا چیز کو۔ ڈالا نہیں جائے گا پھینکا جائے گا۔ ڈالنے میں اور پھینکنے میں بڑا فاصلہ ہے۔ فرمایا، جنہیں اُٹھا اُٹھا کر دوزخ میں پھینکا جائے گا، کیا وہ اور وہ لوگ جنہیں قیامت کو امن نصیب ہوگا اور عرشِ عظیم کے سائے کے نیچے کھڑے ہوں گے، یہ ایک جیسے ہوں گے؟

جو ہماری کتاب کا وہ مفہوم جو صاحبِ کتاب نے بتایا وہ سمجھتے ہیں، اُس پر عمل کرتے ہیں یقین رکھتے ہیں وہ عرشِ عظیم کے سائے میں ہوں گے۔ اور جو مرضی کے معنی گھڑ کر خواہشات پوری کرتے ہیں الحاد کرتے ہیں اُنہیں دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۔۔۔ (تو) جو چاہو کرلو تمہارے سامنے ہے جو چاہتے ہو کرلو۔ اُس جماعت میں جانا ہے اُدھر جا کر دیکھ لو اس جماعت میں جانا ہے ادھر جا کر دیکھ لو۔ یہ تو تمہارے سامنے ہے۔ اللہ نے تمہیں زندگی دی ہے حواس دیے ہیں فرصت دی ہے، سمجھ دی ہے۔ تم اُن میں شامل ہونا چاہتے ہو دیکھ لو لیکن دیکھ لو دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ اِدھر شامل ہونا چاہتے ہو دیکھ لو عرشِ عظیم کے سائے میں ہوگے۔ امن میں ہوگے اللہ کی طرف سے پناہ میں ہوگے۔ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۔۔۔ جو چاہتے ہو کرلو۔ تمہارے پاس فرصت ہے وقت ہے دنیا سامنے ہے لیکن ایک بات یاد رکھو: اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴۰﴾ بے شک جو تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔

بہت بلند رتبہ کتاب:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿41﴾ جن لوگوں نے ذکر (قرآن) کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آیا اور یقیناً یہ تو ایک بہت بلند رتبے والی کتاب ہے۔ ایسے لوگ ہیں جب اُن کے پاس اللہ کا کلام پہنچتا ہے، اللہ کی دعوت آتی ہے اللہ کی کتاب آئی، انکار کر دیا کہ نہیں مانتے۔ اُس سے کتاب کی عظمت کو کیا فرق پڑا؟ جنھوں نے نہ مانا انہوں نے خود کو تباہ کر لیا کتاب کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ کتاب میں صداقتیں ہیں، حقائق ہیں۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں بدلے۔ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿42﴾ اس میں غلط بات داخل نہیں ہو سکتی نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ اللہ دانا (اور) خوبیوں والے کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ کتاب کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا اِس لیے کہ وہ بہت بلند رتبے والی کتاب ہے۔ عظیم تر کتاب ہے جو اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ اُس میں کہیں سے کوئی غلط چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ پہلے قصے کہانیوں سے کوئی اُس میں غلطی آئی نہ بعد میں آنے والے حالات اُس میں کوئی غلطی پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ سراسر حق ہے اور اُس اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو دانا تر ہے۔ جو سب تعریفوں کا مالک ہے۔ وہ کسی ناواقف کی کتاب نہیں ہے کہ واقعات اور ہوں اور اس نے اور بیان کر دیے ہوں۔ نتائج اور ہوں اور اُس نے اور بیان کر دیے ہوں، نہیں! وہ ایک دانا تر اور سب تعریفوں کے مالک کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اب جو طنز کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر اور جو نہیں مانتے۔ فرمایا، کون سی نئی بات کرتے ہیں؟ یہ بڑی عجیب بات ہے جس کی طرف قرآن نشاندہی کر رہا ہے: مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۔۔۔ آپ کو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو کہی گئی ہیں۔ جو آپ پر طعنے کیے جاتے ہیں یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے رسولوںؑ پر کیے جا چکے ہیں جو اُن کی کتابوں میں آ چکے لیکن یہ بدنصیب وہی باتیں دہراتے رہتے ہیں۔

میرا ذاتی تجربہ ہے، عجیب بات ہے آج کے دور میں بھی بعض ہمارے خود کو دانشور کہنے والے قرآنی تعلیمات پر اعتراض کرتے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے۔ اُس قسم کی باتیں جب میرے سامنے آتی ہیں تو مجھے عہدِ نبوی یاد آ جاتا ہے۔ وہی باتیں جو ابوجہل اور قریشِ مکہ کہتے رہے جنہیں ایمان نصیب نہیں ہوا، جو طنز وہ کرتے تھے وہ آج کا بے دین کرتا ہے اور کمال یہ ہے کہ الفاظ بھی نہیں بدلتے۔ میں نے اِس پر بڑا سوچا بھی یہ کیسے ایک اعتراض کی بات ایک مشرک کے منہ سے نکلی تھی بعینہٖ وہی بات آج کے معترض کے منہ سے کیوں نکل رہی ہے؟

مجھے یہ سمجھ آئی، شیطان چاہتا ہے، بڑے سے بڑے کافر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اعتراض کیا، جو

میرے ہتھے چڑھ جائے اُس سے میں وہی اعتراض کراؤں کہ وہ بھی وہی سزا پائے جو اُس کافر نے پائی تھی۔ آج بھی دین پر جو اعتراض کرتے ہیں آپ اُن کے اعتراضات دیکھ لیں اور اہلِ مکہ کے اعتراضات دیکھ لیں وہی پرانی بات ہے۔ یہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائی جارہی ہے کہ آج جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں پہلے انبیاؑ پر بعینہٖ یہی اعتراض انہوں نے کیے تھے۔ جن کے جوابات بھی آ گئے دلائل آ گئے معجزات آ گئے لیکن یہ اُنہیں دہرائے جا رہے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ بے شک آپ کا پروردگار بڑی بخشش والا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔

جو بھی اُس کی پناہ میں آئے گا اُس کی بخشش پائے گا لیکن وہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔ جو مقابلے میں آئے گا وہ سزا بھی بڑی دردناک پائے گا۔ پناہ میں آنا اور مقابلے میں آنا دو الگ باتیں ہیں۔ جو نافرمانی کرے گا وہ گویا مقابلے میں آ گیا۔ جو اطاعت کرے گا وہ پناہ میں آ گیا۔

عربی زبان کا مقام:

فرمایا: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا ۔۔۔اور اگر ہم اس (قرآن) کو غیر عرب زبان میں نازل فرماتے۔ یعنی اگر ہم قرآن کسی اور زبان میں عربی کے علاوہ اُتار دیتے تو یہ کہتے لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۔۔۔اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کھول کر کیوں بیان نہیں کی گئیں اس کی باتوں میں وہ وسعت نہیں ہے جو ہونی چاہئے یعنی عربی زبان کا ایک مقام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عربی سے اس لیے محبت کرو کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے۔ اللہ نے عربی کو اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اہلِ جنت کی زبان عربی ہوگی۔ یہ فضیلت اپنی جگہ لیکن آپ زبانوں سے تقابل کر دیکھیں جو وسعت جو شرینی جو فصاحت عربی میں ہے دنیا کی کسی زبان میں نہیں۔ دنیا کی زبانوں میں جہاں ہمیں بات سمجھانے کے لیے ایک پیراگراف لکھنا پڑتا ہے وہاں عربی ایک جملہ کہہ کر پورا مضمون منتقل کر دیتی ہے زبانوں میں رکھ کر اگر دیکھا جائے تو قرآن کو سجتی ہی یہی زبان تھی۔ فرمایا، اگر ہم کسی اور زبان میں قرآن نازل کر دیتے تو اُس میں وہ فصاحت نہ ہوتی پھر انہی لوگوں نے کہنا تھا: ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۔۔۔ یہ کیا کہ (قرآن تو) غیر عربی ہے اور (مخاطب) عربی انہیں فرما دیجیے: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۔۔۔فرما دیجیے جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے۔ قرآن محض کتاب نہیں ہے۔ نورِ ایمان جس میں ہے یعنی جو قبولیت کی استعداد رکھتا ہے۔ قرآنی برکات قبول کرنے کے لیے نورِ ایمان شرط ہے۔

کافر بھی قرآن پڑھتے ہیں لیکن اُنہیں اعتراض سوجھتے ہیں۔ مومن قرآن پڑھتا ہے اُسے عظمتِ الٰہی سوجھتی ہے۔ FEELING محسوسات جو ہیں اُن میں فرق آ جاتا ہے فرمایا، جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے اُن کے

لیے یہ کتابِ ہدایت بھی ہے۔ھُدٰی کہتے ہیں کسی بھی کام کے کرنے کا صحیح طریقہ۔ھُدًی ۔۔۔دنیا کے سارے امور کو صحیح طرح انجام دینا، یہ قرآن بتاتا ہے۔وَّشِفَآءٌ۔۔۔اور اس میں شفا بھی ہے۔تمام روحانی اور قلبی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔اللہ پر ایمان، اللہ کی اطاعت، اطاعت کے طریقے، اُس کے اوقات، اللہ کی طرف سے مقرر کردہ احکامات اُن کی پیروی میں شفا بھی ہے، زندگی خوبصورت بھی ہوجاتی ہے، آسان بھی ہوجاتی ہے۔

منکرین کے لیے نورِ قرآن ان کے اندھے پن کا سبب بن جاتا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ۔۔۔اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی ہے انہوں نے گویا کانوں کا استعمال ہی نہیں کیا۔ایسے ہیں جیسے بہرے ہوں۔اور جس کان نے حق نہیں سنا پھر وہ جو کچھ سنتا رہا اس نے کیا سُنا! حق کے بعد جو سنتا رہا وہ غُل غپاڑہ ہی تھا بات تو حق کی ہوتی ہے۔جس نے حق نہیں سُنا اُس نے کچھ نہیں سُنا۔وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۔۔۔اور وہ (قرآن) ان کے حق میں اندھا پن ہے اور جو قرآن پر اعتماد نہیں کرتے اُن پر اندھا پن سوار ہے دنیا کی محبت میں اندھے ہیں یا اقتدار کی لالچ میں اندھے ہیں یا دولت کے لالچ میں اندھے ہو گئے ہیں۔اُنہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔لذّاتِ دنیا میں کھو گئے ہیں اور کفر میں بھٹک گئے ہیں۔کفر میں بھٹک جانا یہ تو اندھا پن ہے۔ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ اور یہ لوگ (فائدہ حاصل نہ کرنے کے سبب ایسے ہیں جیسے) بڑی دور کی جگہ سے پکارے جارہے ہیں اُن کا عالم تو یہ ہے جیسے کوئی بڑی دور سے اُنہیں پکار رہا ہو۔عربی کا ایک محاورہ ہے جو بات سمجھ جاتا ہے تو عرب کہتے ہیں تم نے قریب سے سُنا۔کسی کو بات سمجھاؤ اور اُس کی سمجھ میں نہ آئے تو اُسے وہ کہتے ہیں تم بہت دور سے سُنتے ہو۔گویا کہیں سے کوئی آواز آرہی ہے جس کی کوئی سمجھ نہیں آرہی۔قرآن کریم نے وہ محاورہ یہاں استعمال کیا ہے: اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ یہ ایسے ہیں، اِنہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے دور سے کوئی شور شرابہ کوئی غُل ہے پتا نہیں کیا ہے کیا ہورہا ہے۔کہیں کچھ ہے سہی آوازیں ہیں، پتا نہیں کیا ہے۔

سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 6 آیات 45 تا 46

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی کتاب دی تھی پھر اس میں بھی اختلاف ہوا اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ (دنیا میں ہی) ہو چکا ہوتا اور بلاشبہ وہ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے ﴿۴۵﴾ جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو شخص بدعمل کرتا ہے سو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا اور آپ کا پروردگار بندوں پر زیادتی کرنے والا نہیں ﴿۴۶﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۔۔۔ اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی کتاب دی تھی پھر اُس میں اختلاف ہوا۔ ماننے والے بھی تھے نہ ماننے والے بھی تھے لیکن اللہ نے سب کے حساب کتاب کے لیے ایک دن مقرر کر دیا۔ دنیا میں یہاں مہلت دے دی ہے۔ یہاں ماننے والے بھی عمر طبعی پوری کرتے ہیں نہ ماننے والے بھی اپنی فرصت پوری کرتے ہیں۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ اگر اللہ نے آپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ نہ کر دیا ہوتا تو جب کوئی اللہ کی کتاب کا انکار کرتا اُسی وقت تباہ کر دیا جاتا۔ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ بلاشبہ وہ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردّد میں ڈال رکھا ہے۔ ان لوگوں کو قرآن

میں، اللہ کی کتاب میں یا تورات میں انجیل میں، اللہ کی کتابوں میں شبہے رہتے تھے۔ اس تذبذب میں رہتے ہیں کہ اسے مانیں نہ مانیں۔ یہ کیسے ہوگا، یہ کیونکر ہوگا لیکن یاد رکھو: مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۔۔۔ جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ جو نیکی کرتا ہے کسی پر احسان نہیں کرتا اپنے لیے کرتا ہے۔ اگر کوئی اچھا کام کرتا ہے عبادت کرتا ہے سخاوت کرتا ہے اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ زندگی حق کے مطابق گزارتا ہے محنت کرتا ہے، حلال کماتا ہے تو حلال رزق کمانا عبادت ہے۔ جتنی نیکیاں کوئی کر رہا ہے وہ کسی پر احسان نہ دھرے، اپنے آپ پر، اپنے لیے کر رہا ہے: وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ۔۔۔ اور جو شخص بدعمل کرتا ہے سو اس کا وبال اسی پر اور جو گناہ کر رہا ہے بھگتے گا وہی۔ یہ نہیں ہوگا کہ گناہ میں کروں اور بھگتیں گے پیر صاحب۔ ہم نے تو یہ بنا لیا ہے کہ پیر صاحب کو پیسے دیتے رہو ہمارے گناہ یہ بھگتیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ پیسے بھی دے بیٹھو گے گناہ بھی اپنے خود ہی بھگتنے پڑیں گے۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ۝ اور آپ کا پروردگار بندوں پر زیادتی کرنے والا نہیں۔

اور آپ کا پروردگار اِن عاجز بندوں سے زیادتی نہیں کرتا۔ یہاں 'عبد' کی بھی تصغیر ہے 'عبید'۔ عظمتِ الٰہی کے سامنے بندے کی حیثیت کیا ہے؟ عبد کا معنٰی تو پھر بندہ ہے۔ 'عبید' اِس میں تو تصغیر استعمال فرمائی۔ چھوٹی چھوٹی مخلوق۔ کہاں عظمتِ الٰہی، کہاں ایک انسان! اللہ، کوئی اُس کے ساتھ دشمنی لیے بیٹھا یا انتقام؟ یہ اللہ کے شایان شان ہی نہیں! اُسے اختیار دیا ہے اب اُس کی مرضی اپنے لیے کیا خرید رہا ہے۔ نیکی کر رہا ہے تو اپنے ساتھ احسان کر رہا ہے اپنی بھلائی کر رہا ہے برائی کر رہا ہے تو اپنے اوپر بوجھ لاد رہا ہے کسی کا کیا بگاڑ رہا ہے۔ اللہ کا اُس میں کیا نقصان ہوگا! کائنات کا کیا بگڑے گا جو کر رہا ہے اپنے ساتھ کر رہا ہے خود بھگتے گا۔

ہر قول، ہر فعل کا ایک اثر ماحول اور معاشرے پر ہوتا ہے۔ آپ کسی بہت بڑی جھیل میں ایک کنکر پھینکتے ہیں تو دور تک وہ لہریں جاتی ہیں ہم ایک جملہ کہتے ہیں فضا میں بڑے دور تک ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ ہم ایک سجدہ کرتے ہیں اُس کی روشنی فضا میں پھیلتی ہے۔ مخلوق کو سکون ملتا ہے آرام ملتا ہے شفا ملتی ہے رزق ملتا ہے۔ ہم برائی کرتے ہیں وہ جب پھیلتی ہے وہ دھواں ہوتا ہے لوگوں سے رزق چھن جاتا ہے۔ لوگوں کی صحت خراب ہوتی ہے۔ اللہ کی مخلوق بیمار ہو جاتی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے۔ فرماتے ہیں کسی چڑیا کے انڈے بچے اگر گیدڑ نے کھا لیے تو وہ کسی بے نمازی کی نحوست ہوتی ہے۔ اتنا اثر انسانی کردار کا اِس کائنات میں ہے چونکہ کائنات کا حاصل ہی یہ بنی آدم ہے۔ تو جو نیکی کر رہا ہے اُس کے نیک اعمال سے اگر اللہ کی مخلوق اتنی سیراب ہو رہی ہے تو اِس سارے کا انعام اُسے ملے گا اور اگر کوئی برائی اور ظلم کر رہا ہے۔ گناہ جو وہ کر رہا ہے اُس کا اثر وسیع تر فضا میں پھیل رہا ہے کہاں کہاں کس کو کیا نقصان ہوتا ہے اس کا جواب بھی اُسے دینا

پڑے گا۔ اور اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ان عاجز بندوں پر زیادتی نہیں کرتا بندے خود ہیں جو اپنے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں ظلم کر رہے ہیں۔ وہ تو بُلا رہا ہے وہ تو اتنا کریم ہے کہتا ہے کہ ساری عمر بھی گناہ میں گزار دی آج توبہ کرے سب معاف کر دوں گا۔ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ ۔۔۔تُو گناہ کرتا رہا میں تجھے نیکیوں کا ثواب دوں گا۔ آ جا!

یہ عجیب بات ہے کہ بندہ ساری زندگی برائی کرتا رہا وہ کریم کہتا ہے میں تیرے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دوں گا۔ تُو نے گناہ کیے تھے میں تجھے نیکیوں کا اجر دوں گا۔ آ تو جا! اگر پھر بھی کوئی نہیں آتا مر جاتا ہے تو فرماتا ہے پھر اپنا اپنا بوجھ دنیا سے لائے ہیں اب بھگتیں گے۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۔۔۔ اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا اپنی کتاب پڑھو: كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل:14) تم اپنے لیے خود ہی بہترین جج ہو۔ جو دنیا میں کرتے رہے وہ بھگتو۔ نیکی کی ہے تو انعام پاؤ برائی کی ہے تو سزا بھگتو۔

OUR CONTACT

Ph: 0543-562200
Fax: 0543-562198

EMAIL: darulirfan@gmail.com

WEBSITE: www.oursheikh.org

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کے قلم سے چھ جلدوں پر مشتمل منفرد تفسیر

اسرار التنزیل

اسرار المعارف کے حوالے سے

فہم القرآن میں ہر قاری کے لیے مددگار

علما اور تفسیر کے طلبا کے لیے علم وحکمت کا انمول خزانہ

اور سالکین طریقت کے لیے راہِ سلوک میں راہنما ہے۔

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان منارہ ضلع چکوال

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور